بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

جلد نمبر ۸۲　ماہ اگست ۲۰۱۴ء مطابق شوال المکرم ۱۴۳۵ھ　شمارہ نمبر ۸

مدیر
خلیل الرحمان سجاد نعمانی
E-mail : ilm.zikr@yahoo.com

اس شمارہ میں

	مضامین	مضامین نگار	صفحہ نمبر
۱	نگاہ اولیں	مدیر	۳
۲	خاص نمبر کے بارے میں کچھ ضروری معروضات	ادارہ	۱۲
۳	محفل قرآن	مولانا عتیق الرحمن سنبھلی	۱۴
۴	ہم پر یہ حالات کیوں آرہے ہیں....؟	حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ	۲۱
۵	مدیر الفرقان کا اہم خطاب	مدیر	۳۱
۶	فکری غلطی	مولانا عتیق احمد بستوی	۴۲
۷	توضیحی ترجمۂ قرآن، تعارفی کلمات	مولانا خلیل الرحمن سجاد نعمانی	۴۵
۸	ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی	سمیہ نسیم	۵۰

اگر اس دائرہ میں ◯ سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ
آپ کی خریداری کی مدت ختم ہوگئی ہے براہ کرم آئندہ کے لئے چندہ ارسال فرمائیں ورنہ اگلا شمارہ بصیغۂ V.P. ارسال کیا جائے گا جس میں آپ کے 35/- روپے زائد خرچ ہوں گے — منیجر

ضروری اعلان

مختلف مقامات میں ماہنامہ الفرقان کی توسیع اشاعت کے ذمہ دار حضرات کے نام اور فون نمبر نیچے لکھے جا رہے ہیں ان مقامات نیز قرب وجوار کے حضرات اُن سے رابطہ قائم کریں۔

مقام	نام	فون نمبر
۱۔ بڑودہ (گجرات)	مفتی محمد سلمان صاحب	+91-9898610513
۲۔ مالیگاؤں (مہاراشٹرا)	مفتی حسنین محفوظ صاحب	+91-9226876589
۳۔ بیلگام (کرناٹک)	مولانا تنویر صاحب	+91-9880482120
۴۔ بیڑ (مہاراشٹرا)	قاضی بکڈپو	+91-9960070028
	طہٰ بکڈپو	+91-9326401086
	الطاف بکڈپو	+91-9325052414-9764441005
۵۔ گورکھپور (اترپردیش)	مکتبہ ناصر	+91-9451846364
۶۔ جالنا (مہاراشٹرا)	محمد اظہر	+91-9225715159

مرتب: یحییٰ نعمانی

ناظم شعبۂ رابطہ عامہ : بلال سجاد نعمانی
E-mail: nomani_sajjadbilal@yahoo.com

☆ سالانہ زرتعاون، برائے ہندوستان: (سادہ ڈاک) عمومی -/Rs.200

☆ سالانہ زرتعاون برائے ہندوستان: (بذریعہ وی پی [1]) عمومی -/Rs.230

[1] اس صورت میں پہلے سے زرتعاون بھیجنے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ رسالہ وصول کرتے وقت ڈاکیہ کو مطلوبہ رقم ادا کرنی ہوتی ہے،
مگر خیال رہے کہ وی پی نہ وصول ہوئی تو ادارہ کو -/Rs.40 کا نقصان ہوتا ہے

☆ سالانہ زرتعاون برائے بیرونی ممالک (بذریعہ ہوائی جہاز) -/20 پاؤنڈ۔ -/40 ڈالر

لائف ممبرشپ: ہندوستان: سادہ ڈاک -/Rs.8000۔

بیرونی ممالک: -/600 پاؤنڈ۔ -/1200 ڈالر۔

برطانیہ میں ترسیل زر کا پتہ : Mr. RAZIUR RAHMAN
90-B HANLEY ROAD. LONDON N4 3DW U.K
Fax & Phone:020 72721352. Email:furqanpublications@googlemail.com

ادارہ کا مضمون نگار کی فکر سے اتفاق ہونا ضروری نہیں۔

خط وکتابت اور ترسیل زر کا پتہ

ماہنامہ الفرقان
۳۱/۱۱۴ نظیرآباد لکھنؤ۔
پن-۲۲۶۰۱۸ - یوپی، انڈیا- فون نمبر: Ph:0522-4079758

MonthlyALFURQAN
114/31, NAZIRABAD LUCKNOW
Pin-226018- U.P INDIA

e-mail : monthlyalfurqanlko@gmail.com

دفتر کے اوقات صبح ۱۰ بجے سے ۱ بجکر ۳۰ منٹ بعد ظہر: ۲ بجے سے ۵ بجکر ۳۰ منٹ تک

اتوار کو آفس بند رہتا ہے ------

خلیل الرحمن سجاد کے لئے پرنٹر و پبلشر محمد حسان نعمانی نے کاکوری آفسیٹ پریس کچہری روڈ لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا۔

نگاہ اولیں

مدیر

غزہ کے بہادروں کا پیغام

جسے جینا ہو مرنے کے لئے تیار ہو جائے

گذشتہ کافی عرصہ سے عالم اسلام کے چپے چپے سے ایسی خبریں آتی رہی ہیں، جو امت مسلمہ کے ہر حسّاس اور باشعور فرد کے دل ودماغ میں طرح طرح کے سوالات پیدا کرتی رہی ہیں۔ اور فکر وتشویش کے علاوہ خوف وہراس اور مستقبل کی طرف سے ناامیدی جیسی کیفیات کے بھی پیدا ہونے کا سبب بنتی رہی ہیں۔ صرف وہ باتوفیق اور خوش نصیب لوگ جن کے دل ودماغ ایمان کے نور سے روشن ہیں، اور جو قرآن وسنّت میں بیان کی گئی حقیقتوں کے علم اور ان پر مضبوط ایمان کی بدولت اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ ایک مخصوص دور ہے یعنی یہ وہ دور ہے جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایسی واضح آگاہیاں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایسے صریح ارشادات موجود ہیں، جن سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایک دور وہ آنے والا ہے جس میں فتنوں کی بارش اور خون مسلم کی ارزانی ہوگی اور اقوام عالم اس طرح ملت اسلامیہ کے بیمار جسم پر ٹوٹ پڑیں گی جس طرح کھانے والے پیالوں پر ٹوٹتے ہیں، اور گویا مسلمان کہلائے جانے والے لاکھوں افراد اقوام عالم کے لئے لقمۂ تر بن جائیں گے۔ دہشت گردی اور قتل وغارت گری کا یہ عذاب کھلے ہوئے اسلام دشمنوں کے علاوہ ایسے لوگوں کے ہاتھ سے بھی نازل ہوگا جو اسلامی انقلاب اور خلافت کے پرفریب نعرے بلند کریں گے۔ اور وہ اس دور کے خوارج ہوں گے۔ گویا باہر اور اندر ہر طرف سے آگ ہی آگ برسے گی اور خون کی ندیاں بہیں گی۔ اور قصہ مختصر زمین ظلم سے بھر جائے گی۔ میری عرض یہ ہے کہ امت مسلمہ کے جن افراد کی نظر اس قسم کی آگاہیوں پر مستقل طور پر رہتی ہے، اور وہ عالمی حالات کو اِن قرآنی ونبوی آگاہیوں کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، صرف وہ لوگ ہیں جو دور حاضر میں حیرت وسراسیمگی، خوف وہراس اور مایوسی وقنوطیت جیسی منفی کیفیات سے محفوظ نظر آتے ہیں؛ بلکہ ان کا حال تو عام صورت حال کے بالکل بر عکس یہ نظر آتا ہے کہ ہر نئی خبر پر، خواہ وہ بظاہر کتنی ہی منفی اور حوصلہ شکن ہو اسلام کی صداقت پر ان کا یقین اور

امت مسلمہ اور انسانیت کے روشن مستقبل کے بارے میں ان کی امیدیں اور زیادہ بڑھ جاتی ہیں، اور وہ پہلے سے زیادہ مضبوط ارادے اور بڑھی ہوئی امیدوں کے ساتھ اپنی دفاعی و اقدامی جدوجہد میں لگ جاتے ہیں۔ اور جو چیز ان کے لئے بظاہر خطرناک اور حوصلہ شکن حالات میں مزید ثبات و استقامت کا سبب بنتی ہے وہ ان کا یہ احساس ہوتا ہے کہ یہ حالات بالکل وہی ہیں جن کی ہمیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیشگی آگاہی دی تھی ھٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وہ سوچتے ہیں کہ جس طرح ان حالات کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آگاہیاں درست ثابت ہو رہی ہیں تو یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ پیش گوئیاں بھی بالکل درست ثابت ہو کر رہیں گی جن میں انہوں نے اتنے ہی واضح لفظوں میں بتایا تھا کہ اِن سارے حالات کے درمیان بھی ایک گروہ میری امت میں ایسا ضرور رہے گا جو انصاف اور حق کے قیام کے لئے ظلم اور ظالموں سے مقابلہ کے میدان میں ڈٹا رہے گا، اور بالآخر ان ہی مجاہدوں کے درمیان حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام اتریں گے اور پھر حضرت عیسیٰؑ کی معجزانہ روحانی طاقت والی شخصیت کے واسطے سے اللہ کی بھرپور غیبی نصرت ان بہادر جنگجوؤں اور ان کے امام اور امیر (جن کا نام نامی محمد بن عبداللہ ہوگا اور مہدی ان کا لقب ہوگا) کے ساتھ اس طرح ہو جائے گی کہ تمام ظالم طاقتوں کا صفایا ہو جائے گا، اور دنیا تمام غلط نظاموں اور ظالم حکمرانوں سے نجات پا جائے گی؛ یہاں تک کہ پوری دنیا میں عدل و انصاف کا نظام قائم ہو جائے گا۔

پس جن لوگوں کی نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان واضح آگاہیوں پر رہتی ہے اور یہ حقیقت بھی ان کے پیش نظر رہتی ہے کہ ان نبوی آگاہیوں کے مطابق سب سے زیادہ ظلم سرزمین بیت المقدس اور اسکے قرب وجوار کے علاقوں میں ہوگا، اور پھر وہیں سے اس ظلم کے خاتمہ کی شروعات اور صالح عالمی انقلاب کا آغاز بھی ہوگا، وہ لوگ عالم اسلام اور بالخصوص سرزمین بیت المقدس اور عالم اسلام و عالم عربی کے تازہ ترین حالات سے ہرگز مایوس نہیں ہوتے۔ بلکہ ان کا ایمان اور ان کے حوصلے میں ان ہی حالات کی وجہ سے زبردست اضافہ ہوتا ہے۔ ہمیں اعتراف ہے کہ ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم ہے۔ اور اسی لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے ایمان اور علم میں اضافے کی بھی ہر ممکن کوشش کریں اور اس کی بھی ہر امکانی کوشش کریں کہ ایمان اور علم کی روشنی زیادہ سے زیادہ افراد امت کے دل و دماغ کو روشن کر دے۔

آگے بڑھنے سے پہلے اور غزہ کے تازہ ترین حالات کے بارے میں اسی مقصد کے پیش نظر کچھ عرض کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کی مشہور و مقبول اور مستند و معتبر کتاب ''معارف الحدیث'' میں سے ایک دو حدیثیں اور ان کی تشریح میں لکھی گئی کچھ عبارتیں یہاں اپنے محترم قارئین کی

خدمت میں پیش کردی جائیں۔

معارف الحدیث (جلد ہشتم) صفحہ نمبر ۱۶۷ پر ''حضرت مہدی کی آمد، ان کے ذریعہ برپا ہونے والا انقلاب'' کے زیر عنوان مصنفؒ نے احادیث نقل کرنے سے پہلے، اپنے عام معمول کے مطابق جو مختصر تمہیدی عبارت لکھی ہے وہ یہ ہے:

''اس موضوع سے متعلق جو احادیث وروایات کسی درجہ میں قابل اعتبار واستناد ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ اس دنیا کے خاتمے اور قیامت سے پہلے آخری زمانے میں امت مسلمہ پر اُس دور کے ارباب حکومت کی طرف سے ایسے شدید وسنگین مظالم ہوں گے کہ اللہ کی وسیع زمین ان کے لئے تنگ ہوجائے گی، ہر طرف ظلم وستم کا دور دورہ ہوگا، اس وقت اللہ تعالیٰ اس امت میں سے (بعض روایات کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسل سے) ایک مرد مجاہد کو کھڑا کریگا اس کی جدوجہد کے نتیجے میں ایسا انقلاب برپا ہوگا کہ دنیا سے ظلم و ناانصافی کا خاتمہ ہوجائے گا، ہر طرف عدل وانصاف کا دور دورہ ہوگا نیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس وقت غیر معمولی برکات کا ظہور ہوگا؛ جس مرد مجاہد کے ذریعہ اللہ تعالیٰ یہ انقلاب برپا فرمائے گا (بعض روایات کے مطابق) اسکا نام محمد اور اس کے والد کا نام عبداللہ ہوگا مہدی اس کا لقب ہوگا، اللہ تعالیٰ ان سے بندوں کی ہدایت کا کام لے گا۔''

حضرت مصنف علیہ الرحمۃ نے اس تمہیدی عبارت کے بعد صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، سنن ترمذی اور مستدرک حاکم کے حوالوں سے چند احادیث نقل کی ہیں۔ہم ان میں سے صرف ایک حدیث کا ترجمہ نقل کرتے ہیں۔

''حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ (آخری زمانے میں) میری امت پر ان کے ارباب حکومت کی طرف سے سخت مصیبتیں آئیں گی، یہاں تک کہ اللہ کی وسیع زمین ان کے لئے تنگ ہوجائے گی، اس وقت اللہ تعالیٰ میری نسل میں سے ایک شخص کو کھڑا کرے گا، اس کی جدوجہد سے ایسا انقلاب برپا ہوگا کہ اللہ کی زمین جس طرح ظلم وستم سے بھر گئی تھی اسی طرح عدل و

انصاف سے بھر جائے گی، آسمان والے بھی اس سے راضی ہوں گے اور زمین کے رہنے والے بھی، زمین میں جو بیج ڈالا جائے گا اس کو زمین اپنے پاس روک کر نہیں رکھے گی بلکہ اس سے جو پودہ برآمد ہونا چاہیئے وہ برآمد ہوگا (بیج کا ایک دانا بھی ضائع نہ ہوگا) اور اسی طرح آسمان بارش کے قطرے ذخیرہ بنا کر نہیں رکھے گا بلکہ ان کو برسا دے گا (یعنی ضرورت کے مطابق بھر پور بارشیں ہوں گی) اور یہ مرد مجاہد لوگوں کے درمیان سات سال یا آٹھ سال یا نو سال زندگی گزارے گا" (مستدرک حاکم)

معارف الحدیث کی اسی جلد میں آگے چل کر حضرت مصنفؒ نے صحیح بخاری صحیح مسلم، سنن ترمذی، سنن ابی داؤد کے حوالوں سے ایسی سات احادیث نقل کی ہیں؛ جن میں اسی دور میں جس کا تذکرہ حدیث بالا میں کیا گیا ہے، حضرت عیسیٰؑ کی بھی دوبارہ دنیا میں تشریف آوری کی خبر دی گئی ہے، ذیل میں ہم صرف ایک حدیث کا ترجمہ نقل کرتے ہیں۔

"حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں ہمیشہ ایک جماعت رہے گی جو قیامت تک حق کے لئے لڑتی رہے گی اور کامیاب رہے گی، اسی سلسلہ کلام میں آگے آپ نے فرمایا: پھر نازل ہوں گے عیسیٰ بن مریمؑ تو مسلمانوں کے اس وقت کے امیر و امام ان سے کہیں گے کہ آپ نماز پڑھایئے تو عیسیٰ بن مریمؑ فرمائیں گے کہ نہیں! (یعنی میں اس وقت امام بن کر نماز نہیں پڑھاؤں گا) تمہارے امیر و امام تم ہی میں سے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس امت کو یہ اعزاز بخشا گیا ہے۔" (صحیح مسلم)

اس حدیث کی تشریح میں حضرت مصنفؒ نے جو کچھ لکھا ہے اس میں سے یہ چند جملے یہاں نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

"سنن ابن ماجہ میں حضرت ابواُمامہؓ کی روایت سے خروج دجال اور نزول مسیح کے بارے میں ایک طویل حدیث ہے اس میں یہ تفصیل ہے کہ **مسلمان بیت المقدس میں جمع ہوں گے**۔۔۔ فجر کی نماز کا وقت ہوگا اور لوگ نماز کے لئے کھڑے ہو گئے ہوں گے، ان کے امام جو ایک مرد صالح ہوں گے۔۔۔ نماز پڑھانے کے لئے امام کی جگہ کھڑے ہو جائیں گے اور اقامت کہی جا چکی ہوگی اس وقت اچانک عیسیٰ علیہ السلام

تشریف لے آئیں گے۔۔۔۔‘‘

صحیح مسلم کے حوالے سے نقل کی گئی مذکورہ بالا حدیث اور سنن ابن ماجہ کے حولے سے تشریح میں ذکر کی گئی حدیث کو ملا کر پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ **امت مسلمہ کے وہ خوش نصیب لوگ جن کے درمیان حضرت عیسیٰؑ فجر کی نماز کے وقت اچانک پہنچ جائیں گے وہ بیت المقدس میں جمع ہوں گے اور وہ میدان جنگ میں ہوں گے اور وہ اس گروہ میں سے ہوں گے جو قیامت تک حق کے لئے برسر پیکار رہے گا اور کامیاب رہے گا۔**

یہ عاجز اور ناتواں کسی اور کے بارے میں تو کچھ نہیں عرض کرتا، اپنا حال عرض کرتا ہے کہ پورے ایک مہینہ تک چلنے والی غزہ کی حالیہ جنگ اور اس کے نتائج کی جو تفصیلات سامنے آئی ہیں اس کے بعد اب اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ اس دور میں وہ گروہ کہاں ہے جس کا تذکرہ مذکورہ بالا حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے، تو میں اول و آخر یہ کہتے ہوئے کہ اصل حقیقت تو اللہ ہی کو معلوم ہے، اپنا یہ طالب علمانہ خیال ضرور عرض کروں گا کہ ’’حماس کے یہ بہادر نوجوان اس ارشاد نبوی کا مصداق نظر آتے ہیں‘‘

خدارا غور کیجئے! اور ہر طرح کے تعصب، تنگ نظری اور ناواقفیت کے اثرات سے خالی ہو کر سوچئے!

غزہ کا حال آپ جانتے ہیں؟ یہ ایک چھوٹی سی بستی ہے، بستی کیا ہے ایک جیل ہے جن میں چند لاکھ انسان قید و بند کی زندگی گزار رہے ہیں۔ بنیادی حقوق سے عرصہ سے محروم ہیں، بار بار اس بستی پر دنیا کی طاقت ورترین فوج مہلک ترین ہتھیاروں سے حملے کر چکی ہے یہ چھوٹا سا شہر زبردست حصار کی وجہ سے پوری دنیا سے کاٹ دیا گیا ہے۔ اسرائیلی فوجوں کا اتنا زبردست گھیرا ہے کہ اپنی بستی کے چند کلومیٹر کے رقبے سے ایک انچ باہر نکلنے کی کسی کو اجازت نہیں ہے۔ کوئی چیز باہر سے لانے کی اجازت نہیں ہے۔ لوہا، المونیم اور اس جیسی دوسری چیزوں کا تو ذکر ہی کیا ہے، جن سے ہتھیار بھی بنائے جا سکتے ہیں، روزمرہ کی ضرورت کی چیزوں اور دواؤں تک کے لانے پر سخت پابندی ہے، برسہا برس سے غزہ کے لوگ ایسے حالات میں جی رہے ہیں، کہ اگر اللہ تعالیٰ کا کوئی مخصوص فیصلہ اور منصوبہ نہ ہوتا تو مقابلے کا حوصلہ اور انقلابی عزائم تو بہت دور کی بات ہے وہ تو جینے کا حوصلہ اور دماغی توازن بلکہ شاید اسلامی شناخت ہی کھو بیٹھتے۔ باہر کے دشمنوں کے علاوہ انکے کتنے ’’اپنے‘‘ نفاق کی علامت اور شمنوں کے آلہ کار بنے ہوئے ہر وقت انکے خلاف سازشوں میں مصروف رہتے ہیں جن کو وہ اچھی طرح جانتے ہیں۔ پھر بھی وہ ان کے ساتھ عدیم المثال صبر و تحمل اور حکمت و دانش

مندی کا رویہ اپنائے ہوئے ہیں۔اسی ماہ رمضان میں اسرائیل نے یہ دیکھ کر کہ تمام پڑوسی ممالک میں ایسے حالات برپا ہو گئے ہیں کہ کہیں سے کوئی مدد انکو نہیں مل سکتی غزہ پر حماس کی گرفت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے ارادے سے زبردست حملہ کر دیا اور پورے ایک ماہ تک اسرائیلی فوج کے بمبار ہوائی جہاز غزہ کے عام شہریوں کے رہائشی مکانات، اسپتالوں، بازاروں سڑکوں اور اسکولوں پر اندھا دھند بمباری کرتے رہے ،تقریباً دو ہزار لوگ؛ جن میں عورتوں اور معصوم بچوں کی بہت بڑی تعداد ہے شہید ہوئے اور دس ہزار لوگ بری طرح زخموں سے چور ایسی حالت میں ہیں کہ ان میں سے بہت سوں کا علاج بھی وہاں بچے کھچے طبی وسائل سے ممکن نہیں ہے اور دوسرے ملکوں میں علاج کے لئے جانے کے راستے میں بھی ہزاروں رکاوٹیں ہیں، کئی لاکھ لوگ بے گھر ہیں، اور ادھر اُدھر چادر کمبل تان کر سر چھپانے پر مجبور ہیں۔۔۔۔

لیکن! (اور اس لیکن کے بعد جو کچھ عرض کرنے جا رہا ہوں، خدارا اسے اور زیادہ غور اور توجہ سے پڑھیئے گا)

کیا آپ کو معلوم ہے کہ اس جنگ کا نتیجہ کیا نکلا؟ سب سے پہلے تو یہ جانئے کہ اسرائیلی فوج اور پوری عالمی برادری یہ دیکھ کر حیران رہ گئی ہے کہ اس بری طرح محصور رہنے اور ہر طرف سے کاٹ دیئے جانے کے باوجود حماس کے ان بہادروں نے ایسے راکٹ خود بنا لئے ہیں جو اسرائیل کے چپے چپے پر جا کر گرتے رہے اور پورے ایک مہینہ تک اسرائیل کی آبادی کی اکثریت خندقوں میں رہنے پر مجبور رہی۔بارہا اسرائیل کے ہوائی اڈوں سے ہوائی پروازوں کو منسوخ کرنا پڑا، پورے ملک کے عوام کا خوف و دہشت کی وجہ سے برا حال رہا۔خود اسرائیل کے جاری کردہ اعداد وشمار کے مطابق اسرائیلی برّی فوج کے تقریباً ۷۰ فوجی مارے گئے۔یہ بات یاد رہے کہ اسرائیلی عوام کے سخت دباؤ کی وجہ سے ابھی کچھ عرصہ پہلے صرف ایک اسرائیلی فوجی کی رہائی کے بدلے حکومت اسرائیل ایک ہزار فلسطینیوں کو رہا کرنے پر مجبور ہوئی تھی۔

یہ بات پہلے بھی ذرائع ابلاغ میں آتی رہی ہے کہ حماس کے بہادروں نے اپنے پورے علاقے میں زیر زمین سرنگیں بچھا رکھی ہیں، اور وہ اپنی کارروائیاں وہیں سے کرتے ہیں۔اور مختلف اشیاء بھی انہیں سرنگوں کے راستے سے اِدھر اُدھر سے لے آتے ہیں۔اس حالیہ جنگ میں جس پیمانے پر اس بات کا انکشاف ہوا ہے کہ پورا غزہ شہر دو منزلہ بلکہ سہ منزلہ بنا لیا گیا ہے۔یعنی زمین کے نیچے دو۔دو منزلہ سرنگوں کا جال بچھا ہے۔ان کے ہتھیار اور ان کے جنگجوؤں کی BASE یہی سرنگیں ہیں۔اور سراغ رسانی کے جدید ترین آلات کے باوجود اسرائیلی فوج ان سرنگوں کا پتہ نہیں چلا سکی ہے۔یہاں تک کہ جس وقت اسرائیلی فوجی و

سیاسی قیادت اس بات کا اعلان کر رہی تھی کہ ’’ہم نے غزہ کی سرنگوں کا خاتمہ کر دیا ہے، اس لئے ہم جنگ بندی کا اعلان کر رہے ہیں اور ہمارے فوجی غزہ سے واپس آرہے ہیں، ٹھیک اُسی وقت حماس کے راکٹ اسرائیل کے مختلف شہروں پر حملہ کر رہے تھے۔ اور پوری دنیا کے سامنے اسرائیل کے جھوٹ کی حقیقت کھلتی جارہی تھی۔ یہی نہیں! حماس کے اِن نہتے جیالوں نے اس جنگ میں تین قسم کے ’’ڈرون‘‘ (بلا پائلٹ طیارے) بھی استعمال کر کے ساری دنیا کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔ نیز ان تربیت یافتہ جنگجوؤں کے علاوہ، پوری آبادی کے عام لوگوں، بوڑھے مرد اور بوڑھی عورتوں، نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں، خواتین اور بچوں اور بچیوں کے جو بلند عزائم اور مضبوط حوصلے اِن دِنوں میں مختلف ذرائع ابلاغ، خصوصاً ’’الجزیرہ‘‘ کے ذریعہ سامنے آئے ہیں، اُن کی وجہ سے ایسا صاف لگتا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن پر قرآن کے یہ الفاظ صادق آرہے ہیں:

اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ﴿۱۳﴾ وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَاۡ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا (سورۃ الکہف ۱۳-۱۴)		یقیناً وہ ایسے نوجوان ہیں جو اپنے رب پر ایمان لے آئے ہیں اور ہم نے انکو راہ ہدایت میں اور آگے بڑھا دیا، اور ہم نے ان کے دل مضبوط کر دئے جبکہ وہ (بانگ دہل) کہنے لگے کہ ہمارا رب تو وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے، ہم تو اسکو چھوڑ کر کسی کو اللہ کے طور پر نہ پکاریں گے، کیونکہ اس صورت میں تو ہم بہت ہی بیجا بات کہدیں گے۔

بہادری، شجاعت اور بلند حوصلگی جیسے اوصاف کے علاوہ حماس کے اِن جیالوں میں اعلیٰ درجہ کا عقلی، تمدنی، اور سیاسی شعور بھی نظر آتا ہے وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ سعودی عرب، امارات، مصر اور اُردن کے موجودہ حکام کی حقیقی پالیسیاں کیا ہیں؟ اور ان کے حقیقی ارادے کیا ہیں؟؟؟ مگر وہ اس کے باوجود ایک لفظ بھی ان نام نہاد اپنوں کے خلاف نہیں بولتے اور اپنی پوری توانائی اصل دشمن صہیونیت اور صہیونیوں کے مقابلے میں صرف کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اقوام متحدہ اور یورپی یونین جیسے عالمی اداروں سے بھی جن کی حقیقت سے وہ بخوبی واقف ہیں وہ پوری دانائی و حکمت عملی کے ساتھ ہی Deal (معاملہ) کرتے ہیں شجاعت اور جوش وجذبہ کے ساتھ شعور کی پختگی اور بالغ نظری کے اس پہلو کی اور ہمت و حکمت کے اس ’’آمیزے‘‘ کی کتنی اہمیت ہے، اس پر روشنی ڈالنے کے لئے کئی صفحات درکار ہیں۔

ہمارے عظیم مربی ومفکر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اپنی عظیم کتاب انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر میں دس صفحات پر مشتمل تحریر میں اس مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے۔جس کا اختتام اس جملہ پر ہوا ہے:

''جب تک یہ شعور نہ پیدا ہو،کسی اسلامی ملک وقوم کا جوش عمل،صلاحیت کار، دینی جذبات اور مذہبی زندگی کے مظاہر ومناظر کچھ زیادہ وقعت نہیں رکھتے''

دنیا بھر کے ذرائع ابلاغ عراق شام میں ہونے والی مجنونانہ دہشت گردیوں اور دشمنان اسلام کی خفیہ سازشوں کے نتیجہ میں عقل وہوش سے محروم کچھ احمقوں کی احمقانہ کارروائیوں کی تو خوب خبریں دے رہے ہیں،جن کو سن کر اور دیکھ دیکھ کر مسلمانوں کے سر شرم سے جھک رہے ہیں،اور وہ چاروں طرف سے اٹھنے والے سوالوں کے جواب دینے سے اپنے کو عاجز پا رہے ہیں مگر یہی ذرائع ابلاغ حماس کے کارناموں، کامیابیوں اور اہل غزہ کی حوصلہ مندیوں اور صبر وثبات کے بارے میں دنیا کو کچھ نہیں بتا رہے ہیں۔

اس راقم نے ایک طویل بیرونی سفر سے واپسی پر یہ چند سطریں،اپنا فرض سمجھ کر لکھی ہیں۔اللہ کی ہزاروں رحمتیں نازل ہوں غزہ کے شہدا پر اللہ جلد صحت وعافیت عطا فرمائے وہاں کے زخمیوں کو

اے حماس کے عظیم قائدین! اے نوجوان مجاہدو! اے غزہ کے بہادر شہریو! ہم دور افتادہ بے بس ہندی مسلمانوں کا سلام قبول کرو!تم نے پوری امت کو بھولے ہوئے سبق یاد دلا دئے ،تم نے دکھا دیا''کہ دنیا کی محبت اور موت کا ڈر'' دل سے نکل جائے تو کوئی دشمن غالب نہیں آسکتا ،تم نے ثابت کر دیا کہ اللہ نے ایمان والوں کی مدد کا جو وعدہ فرمایا ہے وہ ابدی اور بالکل برحق ہے۔نیز یہ کہ اللہ کا یہ فرمان بھی بالکل ہی حقیقت پر مبنی ہے کہ ''اگر تم واقعی صاحب ایمان ہو گے تو تم ہی سر بلند رہو گے'' تم نے ایک بار پھر اِس تاریخی حقیقت کا ہر آنکھوں والے کو مشاہدہ کرا دیا کہ ''کتنی بار ایسا ہو چکا ہے کہ ایک نہایت بے سروسامان اور کمزور گروہ صرف اپنی ہمت اور ثابت قدمی کے سہارے فتحیاب ہوا ہے''۔۔تم نے زبان حال سے یہ سبق سکھا دیا کہ ہمارے لئے''اللہ کافی ہے اور وہ بہترین حامی ومددگار ہے''۔۔تم نے ائمۃ الکفر سے جنگ کے قرآنی حکم پر بھرپور عمل کے ساتھ ساتھ جدوجہد کے ایک مرحلے میں اپنی صف میں گھسے ہوئے دشمن کے ایجنٹوں اور غلاف کعبہ میں ملبوس غداروں کے ساتھ صبر واعراض ،عفو درگزر کے قرآنی حکم اور اسوۂ نبی پر عمل کر

کے پوری ملت اسلامیہ کو ایک بہترین راہ دکھائی ہے۔ امید ہے کہ قرآن کی یہ ندا تمہارے کانوں میں ہمیشہ گونجتی رہے گی کہ۔۔۔

وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ ط اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ. وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ط.		ان لوگوں کے تعاقب میں ہرگز کوئی پست ہمتی یا کمزوری سے کام نہ لینا، اگر تمہیں کچھ تکلیف پہنچتی ہے تو (یاد رکھنا کہ) ان لوگوں کو بھی بڑے الم ناک تجربوں سے گزرنا پڑتا ہے اور (تم میں اور تمہارے اِن حریفوں میں ایک بڑا فرق یہ ہے کہ) تمہیں اپنی تکلیفوں پر اللہ سے جس اجر کی امید ہے وہ امید یہ لوگ نہیں کر سکتے۔

سو بار مبارکباد اے غزہ کے بہادرو! تم نے یہ سبق تازہ کر دیا ہے کہ ؎

جسے جینا ہو مرنے کے لئے تیار ہو جائے۔

☆☆☆

خاص نمبر کے متعلق

درج ذیل معروضات کو بھی غور سے پڑھ لیں

——— ادارہ

گذشتہ شمارے (جولائی) میں ''ملک کا نیا منظر نامہ اور مسلمانانِ ہند کی حکمت عملی'' کے زیر عنوان الفرقان کے جس ''خاص نمبر'' کی اشاعت کا اعلان کیا گیا تھا بنام خدا اس کی تیاری کا کام شروع کر دیا گیا ہے۔ انشاء اللہ وہ نمبر نومبر 2014 کے اواخر تک شائع ہو جائے گا **یہ خاص نمبر ستمبر تا دسمبر 2014 کے شماروں پر مشتمل ہوگا** مگر اس کی ضخامت انشاء اللہ ان شماروں کے جملہ صفحات سے زیادہ ہوگی۔ تاہم یہ خاص نمبر خریداروں کی خدمت میں بلا کسی اضافی قیمت کے ہی پیش کیا جائے گا۔

- **ایجنسیوں اور تمام قارئین سے گذارش ہے کہ: اگست کے اس شمارے کے بعد خاص نمبر سے پہلے الفرقان کے کسی شمارے کا انتظار نہ کریں۔**
- جن خریدار حضرات کی مدت خریداری دسمبر 2014 سے پہلے ختم ہو رہی ہے ان سے گذارش ہے کہ وہ جلد از جلد اپنا سالانہ چندہ بھیج دیں۔ ورنہ یہ نمبر ان کی خدمت میں نہیں بھیجا جا سکے گا۔
- یہ خاص نمبر ان خریداروں اور ایجنسیوں ہی کو بھیجا جائے گا جن کا سابقہ حساب صاف ہو، اگر کسی کے ذمے ادارہ کا کوئی بقایا ہو تو اس کو فوری طور پر بے باق کر دیں۔
- یہ خاص نمبر ضخیم ہونے کی وجہ سے ڈاک سے ضائع ہو جانے کے بعد دوسرے عام شماروں کی طرح دوبارہ نہیں بھیجا جائے گا، **اس لئے تمام خریدار حضرات سے گذارش ہے کہ وہ اسے رجسٹرڈ ڈاک سے ہی منگوائیں، اور رجسٹری کا اضافی خرچ -/Rs.70، بذریعہ منی آرڈر اس شمارے کے ملتے ہی ارسال کر دیں**، آپ کی آسانی کے لئے منی آرڈر فارم اس شمارے کے ساتھ منسلک کر کے بھیجا جا رہا ہے۔
- اس خاص نمبر کی قیمت ابھی تک کے اندازے کے مطابق =/150 ہوگی۔
- ہماری خواہش ہے کہ ملک وملت کی تاریخ کے ایک اہم اور نازک موڑ پر شائع ہونے والا یہ خاص نمبر زیادہ سے زیادہ پھیل سکے اور خصوصاً ملی تنظیموں، جماعتوں اور اہم کارکنوں کی خدمت میں ادارہ کی

طرف سے ہدیۃً بھیجا جاسکے۔

آپ دوطرح سے اس کارخیر میں تعاون کرسکتے ہیں۔

(۱) =/Rs150 کے حساب سے تین، یا پانچ، یا دس حضرات کو یہ خاص نمبر ہدیۃً بھجوانے کے لئے آپ =/Rs450 یا =/Rs750 یا =/Rs1500 ادارہ کو بھیج دیں۔

(۲) اس کارخیر کی دوسری شکل یہ ہے کہ آپ اپنے کاروبار یا کمپنی/فرم کا اشتہار اس خاص نمبر کے لئے بھیج دیں۔ امید ہے کہ اس سے اجروثواب کے علاوہ آپ کے کاروبار کو فروغ بھی حاصل ہوگا —— اللہ کا شکر ہے، ہمارے محتاط اندازے کے مطابق الفرقان کے ہر شمارے کو ملک و بیرون ملک میں مطبوعہ اور انٹر نیٹ پر پڑھنے والوں کی تعداد پچیس (۲۵) ہزار تک پہونچ گئی ہے اور اس خاص نمبر کو پڑھنے والوں کی تعداد انشاء اللہ اور بھی زیادہ ہوگی۔

● آپ یہ بھی کرسکتے ہیں کہ اپنے کسی قریبی دوست کو اشتہار بھیجنے کے لئے آمادہ کریں۔ ہم آپ کی آسانی کے لئے ذیل میں نرخ نامۂ اشتہارات بھی شائع کررہے ہیں۔

ہم آپ کی دعاؤں اور ہر طرح کے تعاون کے لئے ممنون ہیں۔

ان نمبروں پر مزید معلومات کے لئے رابطہ کرسکتے ہیں۔ —————— ناظم ادارہ الفرقان۔

0522-4079758		دفتر
09415049598		بلال سجاد نعمانی
08960633860		بلال خان

اشتہاری نرخ برائے اندرونی صفحات

مکمل صفحہ =/Rs.3000 آدھا صفحہ =/Rs.1500 ربع صفحہ =/Rs.900

رنگین طباعت

پشت ٹائٹل مکمل صفحہ =/Rs.15000 پشت ٹائٹل اندرونی مکمل صفحہ =/Rs.10000

سرورق اندرونی مکمل صفحہ =/Rs.12000

محفل (۱۴۰) سورہ المائدہ (۱۸)

حضرت مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی

روزِ محشر سوال و جواب کا وہ منظر کہ خوف سے انبیاء کرام کی زبانیں گنگ ہوں گی

جواب طلبی کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمائے جانے والے خطاب کا بیان

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَیَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ
اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ﴿۱۰۹﴾ اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِیْ عَلَیْكَ وَعَلٰى
وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَیَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۫ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ
عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّیْنِ كَهَیْـَٔةِ
الطَّیْرِ بِاِذْنِیْ فَتَنْفُخُ فِیْهَا فَتَكُوْنُ طَیْرًۢا بِاِذْنِیْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِیْ ۚ
وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِیْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ
فَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۱۰﴾ وَاِذْ اَوْحَیْتُ اِلَى الْحَوَارِیّٖنَ
اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ وَبِرَسُوْلِیْ ۚ قَالُوْۤا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ اِذْ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ
یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ هَلْ یَسْتَطِیْعُ رَبُّكَ اَنْ یُّنَزِّلَ عَلَیْنَا مَآىِٕدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ
اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا نُرِیْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَىِٕنَّ قُلُوْبُنَا
وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَیْهَا مِنَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ
اللّٰهُمَّ رَبَّنَاۤ اَنْزِلْ عَلَیْنَا مَآىِٕدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِیْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰیَةً
مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مُنَزِّلُهَا عَلَیْكُمْ ۚ فَمَنْ یَّكْفُرْ
بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّیْۤ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّاۤ اُعَذِّبُهٗۤ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۱۵﴾

ترجمہ

(یاد رکھنے کا ہے) وہ دن کہ اللہ جمع کرے گا رسولوں کو، پھر پوچھے گا: کیا جواب تمھیں دیا

گیا؟ وہ کہیں گے ہمیں کچھ علم نہیں۔تو ہی بے شک ہے چھپی باتوں کا جاننے والا (۱۰۹) جب کہے گا اللہ کہ اے عیسی ابنِ مریم یاد کر میرا احسان اپنے اوپر اور اپنی والدہ پر جب تائید میں نے تجھے بخشی روح القدُس سے، تُو کلام لوگوں سے کرتا تھا گود میں اور بڑی عمر میں۔اور جب تجھے کتاب و حکمت اور تورات و انجیل کی تعلیم میں نے دی۔اور جب تو بناتا تھا مٹی سے پرندہ جیسی ایک شکل میرے حکم سے پھر پھونک اس کے اندر مارتا تھا تو وہ ہوجاتا تھا (سچ مچ کا) پرندہ میرے حکم سے اور تو اچھا کر دیتا تھا اندھے اور کوڑھی کو میرے حکم سے۔اور جب نکال کھڑا کرتا تھا تو مُردوں کو میرے حکم سے اور جب روک کے تجھ سے رکھا میں نے بنی اسرائیل کو، جب تو آیا ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر تو وہ کہ جو کافر ان میں سے تھے وہ بولے کہ یہ تو کچھ نہیں بس کھلا جادو ہے۔ (۱۱۰) اور جب میں نے دل میں حواریوں کے ڈالا کہ ایمان لاؤ مجھ پر اور میرے پیمبر پر اور وہ بول اُٹھے تھے کہ ایمان ہم لائے اور گواہ رہ کہ ہم مسلم ہیں (۱۱۱)

اور وہ وقت بھی (یاد کرنے کا ہے) جب کہا حواریوں نے کہ اے عیسیٰ ابنِ مریم کیا تیرا خداوند ایسا کرسکتا ہے کہ ایک خوان ہم پر اُتار دے آسمان سے۔اُس نے کہا اللہ سے ڈرو اگر تم ایمان والے ہو (۱۱۲)۔ بولے کہ ہم (فقط) یہ چاہتے ہیں کہ اس میں سے ہم کھائیں اور مطمئن ہمارے دل ہوں اور ہم جان لیں کہ تم نے سچ ہم سے کہا اور گواہ ہم اس پر ہوجائیں (۱۱۳) عیسیٰ ابنِ مریم نے دعا کی کہ اے اللہ، پروردگار ہمارے، ہم پر اُتار دے ایک خوان آسمان سے جو ایک جشنِ عید ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لئے بن جائے اور ایک نشانی تیری طرف سے، اور رزق عطا ہمیں فرما اور تو ہے سب سے بہتر عطا فرمانے والا (۱۱۴) اللہ نے فرمایا (اچھا) یہ میں اُتارتا تو ہوں تم پر۔لیکن جس کسی نے کفر اس کے بعد تم میں سے کیا تو وہ عذاب اسے میں دوں گا جو اور کسی کو دنیا والوں سے نہ دوں (۱۱۵)

ربطِ کلام

گزشتہ آیات کا اختتام اِن تنبیہی الفاظ "وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوا ط وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِينَ" پر ہوا تھا۔مطلب تھا: اللہ سے ڈرو اور اس کے احکام اطاعت کے کانوں سے سنو۔اور نہ بھولو کہ نافرمان ہدایتِ حق سے محروم ہوجاتے ہیں۔" یہ تنبیہ قریبی طور پر اوپر کے وصیت والے مسئلہ میں پائے جانے والے عہد وقرار سے مربوط تھی۔اب مذکورہ بالا آیات سے ایک غیر معمولی، نہایت غیر معمولی، انداز میں شروع ہونے والا یہ مضمون بھی ایک تنبیہی مضمون ہی ہے۔اور اسی پر سورت ختم ہوجاتی ہے۔

اس مزید اور غیر معمولی تنبیہ کی مناسبت اور ربط کے لئے یاد کیا جانا چاہئے کہ سورہ کے آغاز پر اس کی ایک خصوصیت یہ بتائی گئی تھی کہ یہ احکامِ حق کے سلسلہ کی آخری سورہ ہے، اور اسی پر تکمیل دین اور اتمامِ نعمت کا مژدہ سنایا گیا ہے۔ چنانچہ اس کا آغاز بھی اہلِ ایمان کو احکامِ الٰہی کے سلسلہ میں اُن کی ایمانی ذمہ داری اور عہد وفا یاد دلانے والے ارشاد ''یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ'' سے ہو رہا ہے۔'' پس اسی مناسبت سے اب اختتام پر (جو گویا آخری قرآنی خطاب ہے، کہ نزولاً یہ سورہ سب سے آخری سورہ ہے) وہ وقت انتہا درجہ کے مؤثر انداز میں یاد دلایا جا رہا ہے جب اس عہد و پیمان کے سلسلہ میں باز پرس ہوگی اور عمل یا توبہ تلّا کا وقت ختم ہو چکا ہوگا۔

قیامت کا ہولناک دن

فرمایا: یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰہُ الرُّسُلَ فَیَقُوْلُ مَا ذَآ اُجِبْتُمْ۔ وہ دن کہ اللہ رسولوں کو جمع کرے گا اور پوچھے گا: کیا سلوک تمہاری قوم کا ہمارے اس پیغام کے ساتھ رہا جو تم دے کر بھیجے گئے تھے، کیا جواب تم نے قوم سے پایا؟ یہ دن، ظاہر ہے کہ حشر کا دن ہوگا، جس میں صرف انبیاء و رُسل ہی نہیں ساری ہی مخلوق جمع ہوگی۔ اور معلوم ہے کہ اس دن شان جلال اپنے کمال پر ہوگی۔ اور یہاں لہجہ بھی بتا رہا ہے: مَا ذَآ اُجِبْتُمْ؟ دو لفظوں کے مختصر ترین جملہ کا سوال، جس سے انبیاء کرام تھرّا جاتے ہیں اور بجز اس کے کچھ عرض کرنے کا یارا نہیں پاتے کہ لَا عِلْمَ لَنَا اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ! (آپ ہر ڈھکی چھپی بات تک کے جاننے والے ہیں، سو ہم کیا عرض کریں۔) اور ظاہر ہے کہ قوموں کے سلوک کا معاملہ، جس میں کھلا اور چھپا سب کچھ ہوتا ہے، جیسا اللہ جل جلالہٗ کو معلوم ہو سکتا تھا ویسا تو ان انبیاء علیہم السلام کو نہیں ہو سکتا تھا۔ الغرض اسی سوال جواب سے ہم سب کو جان لینا چاہئے کہ آنے والا وہ وقت کس قدر کڑا ہوگا۔ ابنِ کثیر اس جواب کے بارے میں مفسرینِ سلف کے حوالہ سے ناقل ہیں: یَفْزَعُوْنَ فَیَقُوْلُوْنَ لَا عِلْمَ لَنَا! نیز: اِنَّمَا قَالُوْا ذٰلِکَ مِنْ ھَوْلِ ھٰذَا الْیَوْمِ۔ (یعنی اس دن کے ہول سے گھبرا کر انبیاء علیہم السلام یہ جواب دیں گے۔)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مخاطبت

انبیاء علیہم السلام کے اس جواب کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے جو کچھ اس دن فرمایا جائے گا اُس کا اندازہ کرانے کے لئے اللہ کی حکمتِ بالغہ نے انتخاب فرمایا ہے حضرت مسیح علیہ السلام سے اپنے خطاب کے بیان کا۔ جو آگے '' اِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ۔۔۔ سے شروع ہوا ہے۔ اس انتخاب کی واقعی وجہ تو اللہ ربُّ العزت ہی کے علم میں ہے۔ لیکن ہم غور کریں تو اپنے طور پر بھی کئی نہایت موزوں باتیں ذہن میں آجاتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ ان آیتوں کا جو مقصد ہے، کہ امتِ محمدیہ کو حساب کتاب والے دن کا بھرپور احساس

دلا کر ان کوتاہیوں میں پڑ جانے سے روکا جائے جو اس دن جان لیوا ثابت ہو جائیں گی، اس کے لئے حضرت مسیح علیہ السلام اور آپ کی امت کے معاملہ سے بڑھ کر سبق کا سامان کسی دوسرے نبی کی امت کے معاملہ میں نہیں تھا۔ اور وہ امت اپنے جملہ حال احوال کے ساتھ سامنے موجود بھی تھی۔ کوئی دوسری امت نہیں معلوم ہے جس میں پیغمبر کو قبول نہ کرنے والے تو الگ رہے قبول کرنے اور اہلِ ایمان بننے والوں نے پیغمبر کی تعلیم و دعوت کے ساتھ وہ ظلم کیا ہو جو حضرت مسیح کی امت کہلانے والے لوگوں نے کیا۔ اور یہ ظلم وہ ہے جس کا ذکر البقرہ سے لے کر اس پانچویں سورہ المائدہ تک برابر ہوتا چلا آرہا ہے۔ (اور یہ اس لئے کہ یہ لوگ بھی دوسرے تمام اہلِ عالم کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی امتِ دعوت میں تھے اور ہیں۔) پس ان کے حوالہ سے جو سوال و جواب اُس دن ان کے پیغمبر سے ہو سکتا تھا اسے اپنی مثال آپ ہی ہونا تھا اور اس لئے سبق آموزی میں یکتا۔

دوسرا نہایت روشن پہلو اس انتخاب کی حکمت کا یہ ہے کہ البقرہ سے یہاں تک جو فہمائش امتِ عیسوی کو ہوتی چلی آئی ہے، جس کے بارے اس سورہ کے شروع میں کہا جا چکا ہے کہ ''ان پانچ سورتوں میں اہلِ کتاب پر ہر جہت سے گفتگو کے ذریعہ سے حجت تمام کر دی گئی ہے۔'' روزِ محشر کا یہ سوال جواب اس اِتمامِ حجت کی آخری کڑی بن جاتا تھا، اور کہنے بھر کی بھی کوئی کسر اس کے بعد باقی نہیں رہتی تھی۔ **قُلْ فَلِلّٰہِ الْحُجَّۃُ الْبَالِغَہ!**

اصل سوال سے قبل ایک پُرحکمت تمہید

ارشاد ہوتا ہے: **اِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ اذْکُرْ نِعْمَتِیْ عَلَیْکَ وَعَلٰی وَالِدَتِکَ** ۔۔

یہاں سے اوپر کی مندرجہ آیتوں کے آخر تک سوال و جواب سے پہلے ایک تمہیدی خطاب ہے۔ سوال و جواب اسکے بعد کی آیات میں ہے جو آئندہ نشست میں ان شاء اللہ آئے گا۔ تمہیدی خطاب میں یہ بات واضح فرمائی گئی کہ حضرت مسیح روح اللہؑ کی جو بھی وہ خصوصیات تھیں جنھیں ان کی اُمت نے خود ان کا کمال ٹھیرا کر اللہ کی الوہیت میں شریک بنالیا، وہ سب محض اللہ کی عنایات تھیں اُن کا اپنا اس میں کچھ نہ تھا۔ لیکن اس حقیقت کے اظہار کے لئے جو ایسا ایک انداز اختیار فرمایا گیا ہے جیسے کہ خود حضرت مسیحؑ کو کچھ جتایا جا رہا ہو۔ (''اے عیسیٰ ابنِ مریم یاد کرو اپنے اوپر میرا وہ احسان، وہ احسان، وہ احسان۔۔۔'') تو یہ دراصل حضرت مسیح کو گواہ بنا کر سنایا جارہا ہوگا ان کی امتیوں کو، جو اللہ کو پسِ پشت ڈال کر اس کے بخشے سارے معجزات کو کمالاتِ مسیح بنا بیٹھے تھے اور پھر خود مسیح کو ابنُ اللہ۔ یہ سرِ محشر کا قصہ ہے، جہاں انبیاء سے ان کی امت کے رویہ کے بارے میں شہادت لی جارہی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ امت موجود۔ یہ اُس وقت کا منظر ہے جس کے بارے میں سورۂ نحل (۱۶:۸۹) میں آتا ہے **وَیَوْمَ نَبْعَثُ فِیْ کُلِّ اُمَّۃٍ شَہِیْدًا عَلَیْہِمْ وَجِئْنَا بِکَ شَہِیْدًا عَلٰی ہٰؤُلَآءِ** (وہ دن کہ جب ہم ہر امت میں

سے ایک گواہ ان کے اوپر اُٹھائیں گے اور تمھیں اے محمد گواہ بنا کے ہم لائیں گے تمہارے اِن لوگوں پر) الغرض یہ حضرت عیسیٰ کو خطاب کر کے سنایا دراصل ان کی امت کو جا رہا ہوگا۔ واللہ اعلم

ہر معجزہ بحکمِ الٰہی رونما ہوتا تھا

ان تمہیدی فقروں میں حضرت مسیح کو عطا کئے گئے جن معجزوں کا حوالہ ہے ان میں سے اکثر پہلے گزر چکے ہیں۔ اس لئے زیادہ تشریح کی ضرورت نہیں۔ البتہ پہلے نمبر پر مذکور معجزاتی احسان (تائید بروح القدُس) کے حوالہ سے یہاں آپ کے ساتھ آپ کی والدۂ ماجدہ کا جو ذکر ہے وہ تشریح کے لئے سورۂ مریم کی طرف رجوع چاہتا ہے، جہاں بتایا گیا ہے کہ آپ کی پیدائش پر حضرت مریم کی یہ پریشانی دور کرنے کے واسطے کہ قوم میرے اور اس بچہ کے بارے میں کیا کہے گی منجانبِ اللہ حکم ہوا تھا کہ زبان کا روزہ رکھ لیں اور پوچھ گچھ کے جواب میں بچہ کی طرف انگلی اُٹھا دیں۔ سو ایسا ہی ہوا اور آپ اس اشارہ پر گویا ہو گئے: **إِنِّي عَبْدُ اللّٰهِ اٰتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا** ۔۔۔ (میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی اور نبی بنایا ہے۔۔۔۔ (آیات ۳۰ تا ۳۳) سو یہ تائیدِ روح القدس سے رونما ہونے والا پہلا معجزہ تھا کہ آپ نے گہوارہ میں کلام کیا، نہ صرف کلام بلکہ بعینہٖ وہی پیغمبرانہ کلام جو آپ کو بڑی عمر میں پہنچنے پر کرنا تھا، اور بطور پیمبر کرتے رہے۔ اسی کو فرمایا گیا: **يُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا**۔

علیٰ ہٰذا مٹی سے پرندہ کا پتلا بنا کر پھونک مارنے سے اس میں جان پڑ جانا، مادرزاد اندھوں کا آپ کے دستِ شفا سے صحت یاب ہو جانا۔ قُم باذن اللہ کے اشارہ سے مردوں کا زندہ ہو جانا۔ اس سب کے بارے میں ایک ایک کر کے سنایا جا رہا ہے کہ یہ سب معجزات باذنِ اللہ تھے، اور تائیدِ روحُ القدُس کے مظاہر۔ اور حضرت مسیح کی خاموشی اس بیان پر مہرِ تصدیق ثبت کر رہی ہے۔ اور آپ کی صداقت کی گواہی دینے والے ان معجزات سے پریشان ہو جانے والے یہودیوں کو جب آخری درجہ کے دشمنانہ منصوبوں کی سوجھی، تو اس کے حوالہ سے فرمایا جاتا ہے کہ ان کے مقابلہ میں میں تھا جس نے تمہاری حفاظت اے عیسیٰ کی۔ اس ارشاد میں آپ کو خدا بنانے والے امتیوں کو سنایا جا رہا ہے کہ مسیح تو اس قابل بھی نہ تھے کہ اِن دشمنوں سے خود کو بچا سکیں، یہ بھی میں ہی تھا جو انھیں بچاتا رہا۔ **فَلِلّٰهِ الحمد!**

آپ کے حواری اور ان کی ایک فرمائش

اس سلسلہ کی آخری چیز جس کا اس موقع پر اظہار فرمایا جائے گا وہ آپ کے مقدس اصحاب

(حواریّین) جن کا آپ کی امت میں بڑا درجہ مانا گیا ہے، ان سے تعلق رکھنے والا ایک واقعہ ہے جو شہادت دیتا ہے کہ یہ حواری حضرت مسیح کو محض اللہ کا بندہ اور رسول مانتے تھے۔ اوّلاً ان کے ایمان کا ذکر ہے کہ وہ خود ایک معجزانہ نوعیت کی چیز تھی۔ آلِ عمران (آیت ۵۲) میں آیا ہے: فَلَمَّآ اَحَسَّ عِیسٰی مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنصَارِیٓ اِلَى اللّٰهِ قَالَ الْحَوَارِیُّونَ نَحْنُ اَنصَارُ اللّٰهِ یہ آلِ عمران میں اس موقع کا ذکر ہے جب حضرت عیسیٰ نے اپنی قوم بنی اسرائیل کے اکابر و عمائد کی طرف سے اس درجہ کا کافرانہ رویہ پایا کہ آپ کو مددگاروں اور حامیوں کی ضرورت محسوس ہوئی تو یکا یک آپ کی دعوتِ ایمان پر ملاحوں کا غریب طبقہ کامل فدایانہ انداز میں "نَحْنُ اَنصَارُ اللّٰهِ" کہکر متوجہ ہو گیا۔ اسی کی اصل حقیقت کو کھولتے ہوئے یہاں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے وَاِذْ اَوْحَیْتُ اِلَى الْحَوَارِیّٖنَ اَنْ اٰمِنُوا بِیْ وَبِرَسُولِیْ۔۔۔ یعنی یہ اللہ ہی کی ذات تھی جس نے حواریوں کے دلوں میں اس کافرانہ ہوا کے خلاف حضرت مسیح پر ایمان کی رغبت ڈال دی۔

یہاں حواریّین کی طرف وحی کا مطلب وہی وحی ہے جو مثلاً حضرت موسیٰ کی والدہ کی طرف کی گئی تھی کہ بچے کو صندوق میں رکھ کر دریا میں اتار دو۔ (وَاَوْحَیْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوسٰى۔۔۔ القصص۔ ۲۸:۷) یعنی الہام، جس کا مطلب دل میں بات ڈالنا اور رجحان پیدا کرنا ہوتا ہے، نہ کہ انبیاء والی وحی۔

الغرض یہ لوگ جب اس الہامِ حق کے نتیجہ میں ایمان لے آئے تو بتایا جارہا ہے کہ ایک دن ان کے دل میں آئی کہ آسمان سے ایک خوانِ نعمت اتروانے کے لئے دعا کی فرمائش حضرت مسیح سے کی جائے۔ اور یہ فرمائش انھوں نے بایں الفاظ کی کہ اے عیسیٰ بن مریم کیا آپ کا رب یہ کرسکتا ہے (یعنی آپ کی خاطر یہ کرنا پسند کرے گا) کہ ہمارے اوپر ایک خوان آسمان سے اتار دے؟ اس پر حضرت عیسیٰ نے جواب میں فرمایا کہ اللہ سے ڈرو۔ یہ سوال و جواب صاف طور پر بتا رہا ہے کہ یہ حضراتِ حواری سب معجزے دیکھتے ہوئے بھی حضرت عیسیٰ کا اپنا کوئی اختیار نہیں سمجھ رہے تھے کہ خوان اتار دینے کی فرمائش خود آپ سے کرتے۔ بلکہ یہ اختیار وہ آپ کے رب (اللہ) کا سمجھتے تھے۔ اور آپ کا مرتبہ صرف یہ سمجھتے تھے کہ اللہ کے برگزیدہ ہیں وہ ان کی سنتا ہے۔ وہ دعا کریں گے تو امید ہے ایسا ہو جائے گا۔ حضرت عیسیٰ نے "اتّقوا اللّٰہ ربّکم" فرما کر اپنی تصدیق کی مہر بھی اس پر ثبت کر دی۔

حضرت عیسیٰ کی تنبیہ اور حواریوں کی صفائی

حضرت عیسیٰ کا اس فرمائش پر ان کو ٹوکنا، واللہ اعلم، بظاہر اس پہلو سے تھا کہ اس میں ایک اور معجزہ کی فرمائش نکلتی ہے۔ اور یہ مؤمنانہ بات نہ تھی۔ مؤمن معجزوں کی فرمائش نہیں کیا کرتے۔ فرمایا: اللہ سے ڈرو اگر تم

مؤمن ہو! پر اس پر ان لوگوں نے اپنی صفائی میں جو کچھ کہا اس میں پہلی بات، کہ ہمارا مقصد تو صرف اس آسمانی غذا سے مستفید ہونا ہے، بظاہر اس شبہ کا ازالہ ہے کہ یہ فرمائش محض معجزہ طلبی ہے۔ پھر اس کے فوائد میں انھوں نے مزید عرض کی کہ اس سے ہمارا درجہ ایمان قدرتی طور سے بڑھ کر کامل اطمینان میں تبدیل ہوگا (یہاں یاد کر لینی چاہئے حضرت ابراہیمؑ کی ایک ایسی ہی طلب اسی اطمینانِ قلب کے لئے۔ دیکھئے البقرہ: ۲۶۰)۔ نیز عرض کی کہ آپ کے اس معجزہ کا منجانب اللہ ہونا چونکہ ہماری آنکھوں کے سامنے وجود پذیر ہوگا اس لئے اس سے ہم آپ کی صداقت پر اپنی آنکھوں دیکھی گواہی کے حقدار ہوں گے۔ (**وَنَكُونَ عَلَيۡهَا مِنَ الشّٰهِدِينَ!**)

صفائی معقول تھی، اور یہ افراد تھے بھی آپ کی امت کا مکھن، حضرتِ والا نے دعا کے ہاتھ اُٹھا دئے۔ کہ اے اللہ نازل فرما دے مائدہ جو ایک بڑی نشانی تیری قدرت اور میری صداقت کی ہو اور پھر وہ ایک عید و یادگار ہمارے لوگوں میں سدا کو بن جائے۔ حضرت مسیح کی یہ دعا خود ایک ثبوت بن رہی ہے کہ آپ اپنے آپ کو ایک بندہ رب العالمین کا سمجھتے تھے اور اس کے سامنے ہاتھ پھیلانے والوں میں سے تھے۔ پھر اس دعا پر جو جواب اللہ رب العزت کی طرف سے آتا ہے وہ اللہ کی گواہی ہے کہ وہی رب ہے۔ وہ چاہے کسی کی دعا قبول فرمائے چاہے نہ فرمائے۔ جواب آیا: اچھا میں اتارتا تو ہوں۔ لیکن اس کے بعد کسی نے کفر دکھایا تو پھر اس سے بڑھ کر میرے عذاب کا مستحق دنیا میں کوئی اور نہ ہوگا۔ یہ جواب جو کچھ رشتہ حضرت عیسیٰ اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا بتا رہا ہے اسے شرح و بیان کی حاجت نہیں۔ (یہ عبد و معبود کا رشتہ نہیں تو اور کیا ہے؟)

خوان اُترا یا نہیں؟

یہ مائدہ (خوان) اترا یا اللہ کی اس سخت وعید سے ڈر کر استدعا واپس لے لی گئی؟ قرآن آگے خاموش ہے۔ روایات دونوں طرح کی ہیں اور ان کی بنا پر مفسرین کے دونوں طرح کے قول ہیں۔ جو حضرات نفی کی طرف گئے ہیں ان کی یہ دلیل بہت قابلِ لحاظ نظر آتی ہے کہ اگر ایسا ہوا ہوتا تو مسیحی دنیا میں اس کی روایت کا چرچا ہونا چاہئے تھا۔ بلکہ ایک یادگار کی طرح اس کی یاد منائی جاتی، جبکہ وہاں سرے سے اس واقعہ کا وجود ہی نہیں۔ مزید برآں کہا جا سکتا ہے کہ ایک پیغمبر سے کہاں امید کی جا سکتی ہے کہ وہ ایسی وعید سے مشروط نعمت کا خواہاں رہنا پسند کرے؟ بہر حال حقیقت اللہ جانتا ہے۔ اور جس مقصد کے لئے مذکورہ بیان کی وحی فرمائی گئی اس کے لئے ہمیں اس کھوج کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

☆☆☆

خطاب عید الفطر

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

ہم پر یہ حالات کیوں آرہے ہیں اور انکا حل کیا ہے؟

[والد ماجد حضرت مولانا محمد منظور نعمانی علیہ الرحمہ کا معمول تھا کہ وہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے موقع پر دارالعلوم ندوۃ العلماء کی پرشکوہ اور وسیع مسجد میں جمع ہونے والے جم غفیر کو جو خطاب کرتے تھے اس میں بنیادی اصلاحی باتیں بیان کرتے تھے اور "یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْ آمِنُوْ ا"، "اے ایمان لانے والو! سچے اور پورے مومن بن جاؤ" کی صدا لگاتے تھے اور واقعۃً ہزاروں لوگوں کے دل پر اس خطاب کا غیر معمولی تأثر ہوتا تھا —— ذیل میں وہ خطاب نذرِ ناظرین کیا جارہا ہے جو انہوں نے اپنی وفات سے دس سال پہلے ۱۴۰۷ھ کی عید الفطر کے موقع پر کیا تھا۔ اور الفرقان (جولائی ۱۹۸۷) میں شائع ہوا تھا

—————— مدیر]

خطبۂ مسنونہ کے بعد

میرے بھائیو عزیزو! مجھے اس وقت بخار ہے، میں اس بخار کی حالت میں آپ حضرات سے کچھ ایسی ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں جن کا میرے نزدیک حق تھا کہ اگر میرے لئے ممکن ہوتا تو آپ میں سے ہر ایک کے گھر جاکر آپ سے وہ باتیں کرتا لیکن یہ میرے لئے ممکن نہیں، خاص کر اس حالت میں کہ میں چلنے پھرنے سے معذور ہوں۔ اس لئے آپ حضرات سے عرض کرتا ہوں کہ آپ میں سے ہر بھائی میری بات اس طرح سنے کہ گویا یہ بات میں خاص اُن ہی سے کررہا ہوں —— اللہ تعالی مجھے دین کی صحیح اور ضروری باتیں کہنے کی توفیق عطا فرمائے اور آپ کو ان کے قبول کرنے کی توفیق دے۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ بفضلہٖ تعالیٰ ہم سب مسلمان ہیں، اور اسلام ہی کے تعلق سے نماز ادا کرنے کے لئے اس وقت اللہ کے اس گھر میں جمع ہوئے ہیں —— آپ سب بھائی اتنی بات ضرور جانتے

ہیں کہ اسلام کسی ذات برادری کا نام نہیں ہے جیسے سید یا شیخ پٹھان ہونا، کہ سید کے گھر میں پیدا ہونے والا بچہ اپ سے آپ سید یا شیخ یا پٹھان ہوجاتا ہے۔ یا ہندوؤں میں برہمن کے گھر میں پیدا ہونے والا بچہ آپ سے آپ برہمن ہوجاتا ہے۔اس بچہ کو سید یا شیخ یا پٹھان یا برہمن ہونے کے لئے کچھ کرنا نہیں پڑتا ہے —— تو میرے بھائیو! اسلام اس طرح کی کسی ذات برادری کا نام نہیں ہے جیسے سید یا شیخ یا پٹھان ہونا کہ مسلمان کے گھر میں پیدا ہونے والا بچہ اپنے آپ مسلمان ہو، یا جسکا نام مسلمانوں کا سا ہو وہ مسلمان ہے۔ بلکہ اسلام اپنی ذات اور اپنے طرز زندگی کے بارے میں بہت بڑے فیصلے اور ایک اہم عہد کا نام ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ آدمی کلمہ شریف **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** پڑھ کر اور دل وزبان سے اس کو قبول کرکے مسلمان ہوتا ہے۔ یہ کلمہ شریف جادو منتر کی طرح صرف الفاظ اور زبانی بول نہیں ہے بلکہ اس میں دو اصولی اور بنیادی باتوں کا عہد اور اقرار واعلان ہے تو کلمہ کے پہلے جزو **لا الہ الا اللہ** میں اپنے اس عقیدہ اور یقین کا اعلان ہے کہ میرا اور زمین وآسمان اور اس ساری کائنات کا معبود و مالک سب کا خالق و پروردگار بس ایک اللہ ہے، سب کی موت وحیات، بیماری اور تندرستی اور سب کچھ صرف اسی کے اختیار میں ہے جو کچھ ہوتا ہے اسی کے حکم سے ہوتا ہے اس کے سوا کسی کے اختیار میں کچھ نہیں، وہی اور صرف وہی حاجت روا اور مشکل کشا ہے، حضرات انبیاء علیہ السلام بھی اسی کے پیدا کئے ہوئے اس کے بندے ہیں اور بندگی میں دوسرے بندوں سے بڑھے ہوئے ہیں اسی لئے ان کے درجے سب سے بلند ہیں۔ان سب نے یہی تعلیم دی کہ ''**لا الہ الا اللہ**''۔

کلمۂ شریف کے دوسرے جز ''**محمد رسول اللہ**'' میں اس عقیدہ اور دل کے اس یقین کا اعلان ہے کہ سیدنا حضرت **محمد** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی اللہ وحدہ لاشریک کے بھیجے ہوئے رسول برحق ہیں، آپ جو ہدایت اور شریعت لے کر آئے وہ اللہ کی ہدایت اور شریعت ہے۔آپ کی اطاعت وفرمانبرداری اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری ہے اور آپ کی نافرمانی اللہ کی نافرمانی ہے۔اب نجات آپ ہی کی شریعت کے اتباع اور پیروی میں منحصر ہے۔اور دنیاوی زندگی میں بھی ہمارے لئے کامیاب ہونے کا، عافیت کے حاصل کرنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے زندگی کے ہر شعبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ پر چلنا۔

میرے بھائیو! ہم اپنے حالات کا تذکرہ اکثر کرتے ہیں، لیکن اپنے اعمال کے تذکرہ سے ہمیں الجھن ہوتی ہے۔آیئے ذرا تھوڑی دیر کے لئے اپنا جائزہ لیں، سب سے پہلے میں نماز کا تذکرہ کرتا ہوں، نماز کا کیا درجہ ہے؟ اور اس کی کتنی اہمیت ہے اس کا اندازہ اس سے کریئے کہ امت کے جلیل القدر مجدد اور

چار اماموں میں سے ایک حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہ ہے کہ بلا عذر شرعی کے فرض نماز ادا نہ کرنے والا مرتد اور کافر ہے۔اور اسی بنا پر وہ واجب القتل ہے، امت کے ایک دوسرے امام حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی طرح نماز نہ پڑھنے والے کو کافر و مرتد تو قرار نہیں دیتے لیکن وہ بھی یہ کہتے ہیں کہ وہ سزائے موت کا مستحق اور واجب القتل ہے۔ان کے نزدیک نماز نہ پڑھنا اتنا بڑا گناہ ہے کہ جس کی سزا اس دنیا میں قتل ہی ہے جیسے کہ اگر کوئی شادی شدہ آدمی زنا کرے یا کوئی کسی کو عمداً قتل کردے تو اس کی سزا قتل ہی ہے اگرچہ اس بنا پر اسے کافر و مرتد قرار نہیں دیا جاسکتا —— ہمارے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ بغیر عذر شرعی نماز نہ پڑھنے والوں کی سزا یہ ہے کہ اسے اس وقت تک جیل میں ڈال دیا جائے جب تک وہ توبہ کرکے نماز شروع نہ کردے یا جیل ہی میں حالت قید میں وہ مرجائے یوں کہیے کہ ان کے نزدیک نماز نہ پڑھنے والوں کی سزا عمر قید ہے۔

امت کے ان جلیل القدر اماموں نے نماز کی اہمیت کے بارے میں جو یہ رائے قائم کی، وہ بلاشبہ قرآن وحدیث کے سینکڑوں دلائل کو سامنے رکھ کر کی، اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے، امت کو بتا گئے کہ کون سا عمل کتنی اہمیت کا حامل ہے، میں اکثر کہا کرتا ہوں کہ نماز عملی کلمہ ہے، یعنی یہ کلمہ طیبہ کے ذریعہ ایک انسان جس زندگی اور جس راستہ کو اپنانے کا اندرونی فیصلہ کرتا ہے نماز اس کا عملی پیکر اور ظاہری جامہ ہے اس کے بغیر اسلام کا کم از کم ظاہری وجود تو ختم ہو ہی جاتا ہے۔

اب ذرا نظر ڈالئے مسلمان کہلانے والی قوم پر، اس کی کتنی تعداد ہے جو نماز کی پابندی کرتی ہے؟ ہر محلہ میں آپ کو اس کی پچاسوں مثالیں ملیں گی کہ مسلمان کی دوکان یا مکان مسجد کے بالکل برابر میں ہے۔ پانچوں وقت نماز کے لئے بلایا جاتا ہے، مسجد آنے کی دعوت دی جاتی ہے، لیکن یہ اللہ کے بندے جن کے نام مسلمانوں کے سے ہیں ایک وقت بھی مسجد میں نہیں آتے سوچئے کہ یہ کیسے مسلمان ہیں؟ کیا یہی وہ قوم ہے جو اللہ کی مدد کی مستحق ہے؟ اور جس کو فخر ہے اس بات پر کہ وہ **''خیر امت''** ہے۔

نماز کے بعد دین میں سب سے بڑا درجہ زکوٰۃ کا ہے۔قرآن مجید کی بعض آیتوں میں تو یہ اشارہ کیا گیا ہے کہ کفار و مشرکین کو اپنا دینی بھائی اس وقت سمجھا جائے۔جب وہ کفر کی راہ چھوڑ کر اسلام کی راہ اختیار کرلیں اور نماز قائم کرنے لگیں اور زکوٰۃ بھی ادا کرنے لگیں۔

آپ میں سے بہت سوں کو معلوم ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد عرب کے بعض ایسے قبیلوں نے جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے، اور ان کی صحیح تعلیم و تربیت ابھی نہیں ہو پائی تھی، زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار

کردیا تھا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کے خلاف جہاد کا فیصلہ کیا تھا اور تمام صحابہ کرام نے ان کے اس فیصلہ سے اتفاق کیا تھا۔

خدا کے لئے سوچئے کہ آج مسلمان کہلانے والوں میں کتنے فیصد ہیں جو ہر سال اپنی دولت اور سرمایہ کا حساب لگا کر زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ میرا خیال ہے زکوٰۃ ادا کرنے والوں کا تناسب نماز پڑھنے والوں کے تناسب سے بھی کم ہے، ہزاروں لوگ تو ایسے ملیں گے جنھوں نے سوچا ہی نہ ہوگا کہ ان پر زکوٰۃ فرض ہے حالانکہ سالہا سال پہلے ان پر زکوٰۃ فرض ہو چکی ہے۔

اسی طرح سے کتنے فیصد مسلمان ہیں جو ان گناہوں سے پرہیز کرتے ہیں جن کو اللہ نے سخت درجہ کا حرام قرار دیا ہے، زنا حرام ہے کسی پر ظلم کرنا حرام ہے اس میں مسلمان کی قید نہیں غیر مسلم پر بھی ظلم کرنا حرام ہے۔ شراب حرام ہے، پہلے زمانے میں شراب کو ام الخبائث کہا جاتا تھا۔ کہ اس کی وجہ سے آدمی بہت سے دوسرے گناہوں میں مبتلا ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ہمارے اس زمانے میں سنیما ام الخبائث ہے۔ سوچئے آج کتنے مسلمان ہیں جو ان گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ میں کفر کا فتویٰ نہیں دیتا لیکن اللہ کے اس گھر میں آپ سب لوگوں کے سامنے کہتا ہوں اور اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ ایسے لوگ قرآن کی زبان میں مومن نہیں ہیں قرآن کی زبان میں مومن وہ لوگ ہیں جن کا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان ہو اور ان کی زندگی ایمان والی ہو۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان سے کوئی گناہ نہیں ہوتا ہے۔ گناہوں سے معصوم صرف اللہ کے پیغمبر اور اللہ کے فرشتے ہیں، ایمان والوں سے بھی کبھی گناہ ہو جاتا ہے لیکن گناہ کے بعد انہیں اس کا احساس ہو جاتا ہے کہ ہم سے اللہ کی نافرمانی ہوئی ہے تو وہ اللہ سے معافی مانگتے ہیں، اس کے حضور میں توبہ کرتے ہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک آدمی کا اللہ پر اور آخرت پر پورا ایمان اور یقین ہو اور وہ بے فکری اور بے پرواہی کے ساتھ نماز روزے جیسے فرائض ترک کرتا رہے اور گناہوں میں مبتلا رہے۔

یاد رکھئے اللہ تعالیٰ کا ایک قانون ہے کہ جب کوئی امت جو کسی نبی پر ایمان لائی ہو وہ جب تک نبی کی لائی ہوئی ہدایت اور شریعت پر چلتی رہتی ہے دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کی مدد اس کو حاصل رہتی ہے۔ اس کی اصل جزا تو آخرت میں جنت میں ملے گی جنت کے بارے میں قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے: وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ دوسری جگہ فرمایا گیا ہے: فِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ۔

اور اسکے بغیر اگر پیغمبر کو ماننے والی امت کبھی نافرمانی والی زندگی اختیار کرے اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کے بجائے اپنے نفس کی خواہشات پر چلنے لگے تو اللہ تعالی دنیا میں اس کو اپنی مدد سے محروم کر دیتا ہے اور اس پر بدترین اور خبیث ترین کافروں و ظالموں کو مسلط کر دیتا ہے۔ آپ میں سے جو بھائی قرآن شریف کی تلاوت کرتے ہیں وہ جا بجا اس میں بنی اسرائیل کا ذکر پڑھتے ہیں۔ یاد رکھئے قرآن تاریخ یا قصے کہانیوں کی کتاب نہیں ہے۔ اللہ تعالی کا نازل فرمایا ہوا صحیفۂ ہدایت ہے۔ اس میں اگلی امتوں کے جو واقعات بیان کئے گئے ہیں وہ اسی لئے بیان کئے گئے ہیں کہ ہم ان سے سبق لیں اور عبرت حاصل کریں۔

بنی اسرائیل اپنے زمانہ کے قریب قریب ایسے ہی مسلمان تھے جیسے ہم مسلمان ہیں بلکہ ایک بات میں وہ ہم سے بھی ممتاز تھے وہ یہ کہ وہ سب انبیاء علیہ السلام کی نسبی اولاد تھے اور ایسا نہیں تھا کہ ان میں اللہ کا کوئی نیک بندہ نہ رہا ہو، لیکن قوم کی عام زندگی نافرمانی والی زندگی ہو گئی تھی۔ انہوں نے اپنے پیغمبروں کے دین کا انکار نہیں کیا تھا لیکن زندگی میں اللہ و رسول کی تابعداری کے بجائے نفس کی خواہشات کی پیروی کر رہے تھے قرآن مجید میں پہلے ہی پارہ الم میں ان کا حال بیان کیا گیا ہے۔

ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِيۡثَاقَ بَنِىۡٓ اِسۡرَآءِيۡلَ لَا تَعۡبُدُوۡنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا وَّذِى الۡقُرۡبٰى وَالۡيَتٰمٰى وَالۡمَسٰكِيۡنِ وَقُوۡلُوۡا لِلنَّاسِ حُسۡنًا وَّاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ ثُمَّ تَوَلَّيۡتُمۡ اِلَّا قَلِيۡلًا مِّنۡكُمۡ وَاَنۡتُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ﴿۸۳﴾ وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِيۡثَاقَكُمۡ لَا تَسۡفِكُوۡنَ دِمَآءَكُمۡ وَلَا تُخۡرِجُوۡنَ اَنۡفُسَكُمۡ مِّنۡ دِيَارِكُمۡ ثُمَّ اَقۡرَرۡتُمۡ وَاَنۡتُمۡ تَشۡهَدُوۡنَ ﴿۸۴﴾ ثُمَّ اَنۡتُمۡ هٰٓؤُلَآءِ تَقۡتُلُوۡنَ اَنۡفُسَكُمۡ وَتُخۡرِجُوۡنَ فَرِيۡقًا مِّنۡكُمۡ مِّنۡ دِيَارِهِمۡ تَظٰهَرُوۡنَ عَلَيۡهِمۡ بِالۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ ؕ وَاِنۡ يَّاۡتُوۡكُمۡ اُسٰرٰى تُفٰدُوۡهُمۡ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيۡكُمۡ اِخۡرَاجُهُمۡ ؕ اَفَتُؤۡمِنُوۡنَ بِبَعۡضِ الۡكِتٰبِ وَتَكۡفُرُوۡنَ بِبَعۡضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنۡ يَّفۡعَلُ ذٰلِكَ مِنۡكُمۡ اِلَّا خِزۡىٌ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۚ وَيَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ يُرَدُّوۡنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الۡعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۸۵﴾

ان آیتوں میں اللہ تعالی نے بنی اسرائیل کو یاد دلایا ہے کہ ہم نے تم سے یہ عہد لیا تھا کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرو گے، اور والدین، اہل قرابت اور یتیم بچوں اور محتاجوں کے ساتھ اچھا برتاؤ اور حسن سلوک کرو گے اور عام لوگوں سے بھی خوش خلقی سے پیش آؤ گے، اور نماز کی پابندی کرو گے اور زکوۃ ادا کرتے رہو گے۔ ہم نے تم سے یہ عہد بھی لیا تھا کہ باہمی خونریزی اور آپس کی لڑائیاں ختم کر دو گے، نہ ایک دوسرے کو گھر سے بے گھر کرو گے، لیکن تمہارا حال یہ ہے کہ سوائے معدودے چند کے تمہاری اکثریت اس

عہد کی پابند نہیں رہی، بلکہ تم آپس میں ایک دوسرے کی جان لیتے ہو اور اپنوں کو بے گھر کرتے ہو اور ان کے دشمنوں کی مدد کرتے ہو، حالانکہ دوسری طرف تمہارا رویہ یہ ہے کہ جب تمہاری ہی حرکتوں کے نتیجہ میں تمہارے وہ ''اپنے'' قیدی بنکر تمہارے پاس آتے ہیں تو کچھ خرچ کر کے ان کو رہا کر لیتے ہو گویا تمہارا حال یہ ہے کہ کچھ حکموں پر تو ایمان رکھتے ہو، اور کچھ پر نہیں یعنی کچھ پر عمل کرتے ہو اور کچھ پر نہیں، تو تم میں سے جس کا طرز عمل یہ ہوا اسے دنیاوی زندگی میں رسوائی کے سوا اور کیا جزا ملے گی اور قیامت کے دن بہت سخت عذاب میں ڈال دیا جائے گا۔

میرے بھائیو! ذرا غور کرو، خدا کے لئے سنجیدگی سے سوچو! کیا آج یہ آیات سو فیصد ہم مسلمانوں پر منطبق نہیں ہو رہی ہیں؟ کیا ہمارا معاملہ اللہ تعالی بنیادی احکام کے ساتھ وہی نہیں ہو گیا ہے، جو بنی اسرائیل کا ہو گیا تھا جس کے بارے میں فرمایا گیا ہے ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ، سوائے معدودے چند کے تمہاری غالب اکثریت ان احکام سے دور ہو چکی ہے —— اور جس کے بارے میں نہایت بلیغ انداز میں فرمایا گیا ہے کہ تم ہماری کتاب ہدایت کے کچھ حصہ پر تو ایمان رکھتے ہو، لیکن باقی کو تم نہیں مانتے، پھر کیا خدا کا یہ صاف اعلان ہمارے بارے میں نہیں ہے کہ کہ تمہارے اس طرز کا صلہ دنیا میں سخت ذلت و رسوائی اور آخرت کے شدید عذاب کے علاوہ کچھ اور بھی متوقع ہے؟

بنی اسرائیل کے ساتھ جن کو اللہ نے دنیا کی سب سے بہتر قوم قرار دیا تھا، اور ان پر اللہ کی خاص نگاہ کرم اور نظر انتخاب تھی، جب انہوں نے غفلت اور لاپرواہی اور دین سے عملی بے تعلقی اور آخرت فراموشی کا راستہ اختیار کیا تو اللہ تعالی نے ان پر ایسے بدترین دشمنوں کو مسلط کر دیا تھا جو بے رحم اور سنگ دل بھی تھے اور ملک و مال اور ہتھیاروں سے لیس بھی تھے، پھر ان دشمنوں نے ان کے ساتھ وہی کیا جو آج دنیا کی قومیں ہمارے ساتھ کر رہی ہیں، گھروں میں گھس گھس کر انہوں نے لوگوں کو مارا، بے دریغ خون بہایا، مال لوٹا، عزتیں لوٹیں، یہاں تک کہ ان کے مراکز عبادت میں جا گھسے، لوگوں کے منہ کالے کئے اور توراۃ کے نسخے جلا کر نیست و نابود کئے۔

میرے بھائیو! عید کے دن ان چیزوں کا تذکرہ کیسی عجیب سی بات ہے، لیکن بتاؤ کہ آج کے دن میں اپنے ان عزیز بھائیوں سے جو اتنی بڑی تعداد میں یہاں جمع ہیں اور کیا کہوں؟ کیا اس سے زیادہ ضروری اور کوئی بات ہو سکتی ہے۔

اگر بنی اسرائیل کے ساتھ یہ معاملہ ہوا تھا، اور یقیناً ہوا تھا، اور ان کی زندگی میں کئی بار ہوا تھا ان کے اعمال میں بناؤ بگاڑ کے اعتبار سے جو تبدیلیاں آئیں تھیں اسی اعتبار سے ان کے حالات میں بھی نشیب و فراز آتے تھے۔تو میں عرض کرر ہا تھا کہ اگر بنی اسرائیل کے ساتھ اللہ تعالی کا یہ معاملہ ہوا تھا تو ہمارے ساتھ کیوں نہیں ہوگا؟ میرا خیال ہے کہ ہم اپنے ساتھ اللہ تعالی کے خصوصی اور استثنائی معاملہ کی توقع رکھتے ہیں۔ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا اللہ کے حکموں کے ساتھ چاہے کچھ بھی معاملہ ہو، اللہ کا معاملہ ہمارے ساتھ اچھا ہی ہونا چاہئے اس لئے کہ ہم اس کے محبوب کی امت ہیں، خدا کی قسم یہ شیطانی فریب ہے ابھی میرٹھ میں جو کچھ ہوا وہ بالکل تازہ بات ہے وہاں سے ایسی دردناک خبریں آرہی ہیں کہ اللہ کی پناہ جتنی تکلیف بھی وہاں کے حالات کو سن کر ہمیں ہو کم ہے۔ بلاشبہ یہ ایسا ظلم ہوا ہے کہ جس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔لیکن میں اللہ کے گھر میں بیٹھ کر اور اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ یہ سارا ظلم ہمارے اس ظلم کے نتیجہ میں ہو رہا ہے جو ہم دنیا کے نشہ میں چور ہو کر اپنے آپ پر خود کررہے ہیں۔ ہمارا حال یہ ہے کہ رمضان المبارک میں کھلم کھلا روزہ نہ رکھنے والوں کی تعداد اب تیزی سے بڑھتی جارہی ہے اور اب تو یہ بھی سننے میں آرہا ہے کہ رمضان کی راتیں فلموں کو دیکھنے میں گزاری جاتی ہیں۔رمضان المبارک کے آخری جمعہ کے بارے میں لکھنؤ ہی کے بارے میں بھی سنا کہ جمعہ کی نماز پڑھ کر جب نمازیوں کا ہجوم واپس ہوا تو راستہ میں لوگوں نے پانی اور شربت کی سبیلیں لگائی تھیں اور پلاؤ بٹ رہا تھا اور بے شمار لوگوں کا ہجوم سڑک پر کھڑا ہوا پلاؤ کھا رہا تھا اور پانی پی رہا تھا اور یہ سبیلیں لگانے والے اور پانی و شربت پینے والے دونوں مسلمان ہی تھے۔اب بتاؤ کہ کیا ہمارے یہ اعمال اللہ کے غضب اور قہر کو دعوت دینے والے نہیں ہیں؟ پھر جن حالات میں ہم آج کل گھرے ہوئے ہیں ان حالات میں کتنی عقلمندی اور کتنی حکمت اور کتنی احتیاط سے جینے کی ضرورت ہے اور اپنے جذبات پر کس قدر قابو رکھنے اور اللہ کے حکموں اور دین کی منشا پر جمنے کی کتنی سخت ضرورت ہے؟؟ میری زندگی جیسی بھی گزری ہے عام مسلمانوں کے ساتھ گذری ہے زندگی بھر اس کا احساس رہا کہ عام مسلمانوں کو خبر ہی نہیں ہے کہ ان حالات میں کس طرح جینا چاہئے بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جنہوں نے شاید طے کرلیا ہے کہ وہ عقل کی بات نہیں سنیں گے، اللہ کی بات نہیں سنیں گے، اپنے دین کے مزاج کو سمجھنے کی کوشش بھی نہیں کریں گے، یہ بعینہٖ وہی حالت ہے جو قرآن مجید نے برباد ہونے والی بعض گمراہ قوموں کی بیان فرمائی ہے کہ: ان یرو سبیل الرشد لایتخذوہ سبیلا وان یرو سبیل الغی یتخذوہ سبیلا۔

میرے دوستو! میں یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ ہم پر ظلم نہیں ہورہا ہے، ظلم ہورہا ہے اور یقیناً ہورہا ہے جو اس کا انکار کرتا ہے وہ حالات سے ناواقفیت کا ثبوت دیتا ہے، میں یہ عرض کررہا ہوں کہ یہ ظلم اس ظلم کے نتیجہ میں ہورہا ہے جو ہم اپنے اوپر کررہے ہیں اگر ہم کسی اعتبار سے ظالم نہ ہوتے، صرف مظلوم ہی ہوتے تو اللہ تعالیٰ کی مدد آچکی ہوتی اور ہم پر ظلم کرنے والوں پر اللہ کی پکڑ آگئی ہوتی، اور جب ظالموں پر اللہ کی پکڑ آجاتی ہے تو اسے دنیا کی کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔

ہمارے ظلموں کی فہرست بھی بہت طویل ہے۔ ذرا کوئی ہماری شادیوں کی محفلوں کو دیکھے، ہماری دوسری فضول تقریبات کو دیکھے اور ہماری فضول خرچیوں کو دیکھے کیا اسے دیکھ کر یہ اندازہ ہوسکتا ہے کہ یہ ایک ایسی قوم کے افراد کی تقریبات ہیں جو دنیا کو یہ سمجھانے کے لئے بھیجی گئی تھی کہ ضریات زندگی کو کتنی سادگی کے ساتھ پورا کیا جاتا ہے اور اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو زندگی کے بلند مقاصد اور انسانیت کی خدمت میں کس طرح استعمال کیا جاتا ہے؟ بلاشبہ یہ بھی ہمارے اپنے اوپر ظلم کی ایک شکل ہے۔

اس کے علاوہ ایک اور ظلم ہم اپنے اوپر یہ کررہے ہیں کہ ہم جہاں رہتے ہیں وہاں کے لوگوں کو اپنا حریف اور دشمن سمجھ کر رہتے ہیں، بجائے اس کے کہ ہم ان کو اللہ کا بندہ سمجھتے اور محبت وحکمت اور اخلاق کے ساتھ ان کو اللہ کی رحمت سے اور ہدایت سے اور جنت سے قریب کرنے کی کوشش کرتے اور ان کو اپنی دعوتی جدوجہد کا میدان بناتے، تاکہ ان میں جتنے سلیم الفطرت ہیں ان کو ہدایت مل جاتی اور اللہ کی جو مدد دین کی دعوت کے میدان میں قربانیاں دینے والوں کے ساتھ آتی ہیں وہ ہمارے ساتھ شامل ہوجاتیں۔ بجائے اس کے ہم نے ان کو اپنا دشمن سمجھ لیا ہے۔ میرے بھائیو! یہ صحیح ہے کہ وہ ہمیں اپنا دشمن سمجھتے ہیں، لیکن حضرت محمد ﷺ کی نسبت سے کیا ہمارا یہی حال ہونا چاہئے کہ ہم بھی سب کو دشمن اور حریف سمجھنے لگیں؟ اگر انبیاء علیہ السلام سب کو دشمن ہی سمجھ لیتے تو کام کیسے کرتے؟

بہرحال میرے دوستو! اللہ کے یہاں اندھیر نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ظالم نہیں ہے وہ رحیم بھی ہے، علیم بھی ہے اور حکیم بھی ہے اور عادل بھی ہے یہ حالات ایسا نہیں ہوسکتا کہ اس کی مرضی کے خلاف آرہے ہوں، اس کی مشیت سے آرہے ہیں اور ہمارے اعمال و اخلاق اور ہماری بے عقلیوں اور حماقتوں کے نتیجہ میں آرہے ہیں۔

اب سے تقریباً ڈھائی تین سو سال پہلے مغلیہ سلطنت کے آخری دور میں جب نادر شاہ نے دہلی کو تاراج و برباد کیا، لوٹا اور وہاں کے بے گناہ باشندوں کا قتل عام کیا تو لوگوں نے اس وقت کے عارف باللہ

حضرت مرزا مظہر جان جاں رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت! یہ کیا ہو رہا ہے اور کیوں ہو رہا ہے؟ تو آپ نے فرمایا تھا: ''شامت اعمال ماصورت نادر گرفت''۔۔۔یعنی یہ ہماری بداعمالیاں ہیں جو نادر کی شکل میں عذاب بن کر آ گئی ہیں۔

میں ایک سیاہ کار گناہ گار بندہ ہوں مجھے کوچۂ معرفت کی ہوا بھی نہیں لگی ہے لیکن قرآن وحدیث کی روشنی میں یقین ہے کہ آج ہم مسلمانوں پر جو مصیبتیں جہاں بھی آ رہی ہیں اور جو مظالم ہو رہے ہیں وہ ہماری ہی بداعمالیوں اور نافرمانیوں کے نتائج ہیں اسی حقیقت کو قرآن مجید میں جا بجا ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ۔

ایک حدیث قدسی کے الفاظ ہیں **انما هی اعمالکم احصیها لکم۔**

میرے بھائیو! عزیزو ہم مسلمانوں کے لئے جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس کی کتاب پاک قرآن مجید پر ایمان لائے ہیں اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ اگر ہم زندگی میں اللہ و رسول کی وفاداری اور فرمانبرداری کا راستہ اختیار کریں گے تو اللہ تعالی کی خاص نظر عنایت اور نصرت ہم کو حاصل ہوگی اور پھر ہم پر اس طرح کے مظالم نہ ہو سکیں گے جس طرح کے آج ہو رہے ہیں جن کی خون کے آنسو رلانے والی خبریں ہم اخباروں میں پڑھتے رہتے ہیں قرآن پاک میں ارشاد فرمایا گیا ہے: إِنْ يَنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَإِنْ يَخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرُكُمْ مِنْ بَعْدِهٖ''..... یہ خداوندی دستور و منشور کا واضح اعلان ہے۔فرمایا گیا کہ اگر اللہ کی نصرت اور مدد تم کو حاصل ہو تو دنیا کی کوئی طاقت تم پر غالب نہیں آ سکتی، اور (اگر تمہاری بداعمالیوں اور نافرمانیوں کی وجہ سے) اللہ تم کو اپنی نصرت اور مدد سے محروم کر دینے کا فیصلہ فرمالے تو پھر کوئی دوسرا نہیں ہے جو تمہاری مدد کر سکے اور ظالم دشمنوں کے ظلم وستم سے تم کو بچا سکے۔

بدقسمتی سے اس وقت صورت حال یہ ہے کہ جن مشکلات میں مسلمان مبتلا ہیں ان کے نجات پانے کے لئے ان کے ناخدا شناس اور دین سے بے بہرہ قائد و رہنما اُن قوموں کے طور طریقوں سے رہنمائی حاصل کرنا چاہتے ہیں جو ایمان سے محروم ہیں، جن کا خدا رسول سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔قرآن مجید جو قیامت تک کے لئے صحیفہ ہدایت ہے اس سے ہدایت اور رہنمائی حاصل کرنے کا ان کو خیال بھی نہیں آتا یہ ہماری بدقسمتی کی انتہا ہے اور ہماری یہ حالت ہم کو اللہ تعالیٰ کی مدد سے اور زیادہ محروم کرنے والی ہے —— خدا کے لئے اس طریقہ کو بدلئے ورنہ حالات بد سے بدتر ہوتے رہیں گے۔

میرے بھائیو، عزیزو سن لو! ہمارے لئے مشکلات سے نجات پانے کے لئے کوئی راستہ رجوع الی

اللہ کے سوانہیں ہے۔ میں اللہ کے اس گھر میں اللہ اور اس کے فرشتوں کو گواہ بنا کے آپ سب حضرات کو صفائی کے ساتھ بتلا دینا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ دین سے بے تعلقی اور اللہ و رسول کی نافرمانی کے ساتھ کوئی تدبیر، کوئی مظاہرہ، کوئی بندہ ہم کو ان مظالم اور مشکلات سے نجات نہیں دلا سکتا۔ میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان مظالم سے حفاظت و بچاو کے لئے کوئی تدبیر نہ کی جائے —— سن لیجئے ہر جائز تدبیر فرض ہے لیکن وہ جب ہی کامیاب ہوگی جب اللہ کی مدد ہم کو حاصل ہوگی اور اس کی شرط رجوع الی اللہ اور اللہ و رسول کے ساتھ وفاداری وفرمانبرداری کا صحیح تعلق ہے۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ وہی سب سے زیادہ کامیاب ہونے والی تدبیر بھی ہے۔ میں قرآن وحدیث کی روشنی اور اپنے ذاتی تجربوں کی بنا پر قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ اگر مسلمان کہلانے والوں کی عام زندگی اللہ و رسول کی فرمانبرداری والی اور دین کی دعوت والی زندگی ہوجائے تو آج جو ان کے دشمن ہیں وہ ان کو سروں پر بٹھائیں گے۔ اپنی حاجتوں میں دعائیں کرانے کے لئے ان کے پاس آیا کریں گے۔ ہم نے اپنے اوپر سب سے بڑا ظلم یہ کیا ہے کہ دنیا کے لئے امت دعوت اور امت ہدایت کے بجائے اپنے کو دنیا کی قوموں کی ایک حریف قوم کی حیثیت سے پیش کر دیا ہے۔ ہمارے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے ہمارے اسی جرم عظیم کی سزا ہے۔

اس موقع پر ایک بات اور صفائی کے ساتھ کہنا اپنا فرض سمجھتا ہوں کبھی کبھی سننے میں آیا ہے کہ فلاں شہر کے فلاں محلہ میں ہندوؤں نے مسلمانوں پر مظالم کئے تو مسلمانوں نے فلاں محلہ میں ہندوؤں پر دھاوا بول دیا —— صاف سن لو! اللہ و رسول کے دین اسلام میں یہ ظلم ہے، حرام ہے، قطعاً حرام ہے۔ بے گناہوں سے بدلہ لینا، ان پر ظلم کرنا، دنیا و آخرت میں نا قابل معافی جرم اور گناہ ہے —— یہ بات قرآن پاک کی بنیادی تعلیمات میں سے ہے، جو لوگ اسلام کے نام پر ایسا کرتے ہیں وہ ان بے گناہ غیر مسلموں کے علاوہ اسلام پر بھی ظلم کرتے ہیں اور خدا کے عذاب اور غضب کو دعوت دیتے ہیں۔

اے اللہ تو گواہ رہ! مجھ گنہگار بندے نے موجودہ حالات میں جو کچھ کہنا حق اور اپنا فرض سمجھا، تیری ہی توفیق سے کہہ دیا، جن بھائیوں نے سن لیا ان کے دلوں میں اتار دینا اور ان کو اور خود مجھ کو بھی عمل کی توفیق دینا تیرے اختیار میں ہے۔

☆☆☆

مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی

ترتیب وپیشکش: خلیل الرحمٰن ندوی

تازہ ترین ملکی حالات کے پس منظر میں مدیر الفرقان کا ایک اہم خطاب

[جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل (گجرات) ریاست گجرات کا قدیم اور تاریخی ادارہ ہے، ۹/ جون ۲۰۱۴ء کو اس کے سالانہ اجلاس میں محترم مدیر الفرقان مدظلہ نے خطاب فرمایا تھا اجلاس کے بعد سامعین کا، جن میں ملک اور صوبے کے اکابر علماء شامل تھے یہ تاثر سامنے آیا تھا کہ اس وقت جبکہ لوگوں کے ذہن ودماغ پر بڑی مایوسی چھائی ہوئی ہے، ایسی باتیں زیادہ سے زیادہ لوگوں کے سامنے آنا چاہئیں جن سے حوصلے بلند ہوں اور مثبت راہ عمل ملے۔ ذیل میں وہی خطاب فاضل مقرر کی نظر ثانی اور کچھ حذف وترمیم کے بعد پیش کیا جارہا ہے۔

——— ادارہ]

حمد وصلاۃ اور تعوذ وبسملہ کے بعد

الٓمّٓ ۞ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۞ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۞ فِیْ بِضْعِ سِنِيْنَ ؕ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ؕ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۞ بِنَصْرِ اللّٰهِ ؕ

وقال تعالیٰ: وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا ؕ فَاَوْحٰٓی اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ۞ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِیْ وَخَافَ وَعِيْدِ ۞

وقال تعالیٰ: وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۞ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۞ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ۞

قرآن مجید اور سیرت نبوی کے مطالعہ سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ جب بھی کبھی امت پر نئے چیلنجز اور نئے خطرات آئے تو فوراً اللہ رب العزت نے اور رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایمان والوں کی توجہ اور ایمانی کارکنوں کی توجہ کو مستقبل کے مثبت امکانات کی طرف اور حالات کے مثبت پہلوؤں کی طرف موڑ دیا، میں نے صرف تین آیتیں مثال کے طور پر قرآن مجید کی آپ کے سامنے پیش کی ہیں انشاء اللہ سیرت نبوی سے بھی اس طرز عمل کی ایک آدھ مثال پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔

ایک واقعہ پیش آیا مکی زندگی میں جس کا کوئی براہ راست تعلق مسلمانوں سے نہیں تھا، دنیا کی دو بڑی طاقتوں میں جنگوں کا سلسلہ چل رہا تھا ان دو بڑی طاقتوں میں ایک طاقت تھی بت پرست ایرانی سلطنت (PERSIAN EMPIRE) اور ایک طاقت تھی رومی سلطنت جو اپنے آپ کو عیسائی کہتی تھی اور اہل کتاب میں شمار کی جاتی تھی (ROMAN EMPIRE) ان دونوں میں جنگ ہو رہی تھی، مکہ کے مشرکین یہ چاہتے تھے کہ کسی طرح ایرانی طاقت جیت جائے اس لئے کہ وہ بت پرست تھے اور صحابہ کرام کی یہ خواہش تھی کہ رومی طاقت جیتے، ان کا خیال تھا کہ اگر چہ وہ اہل کتاب ہیں لیکن بہر حال وہ خدا کو مانتے ہیں، نبوت کو مانتے ہیں اور ابھی تو ان تک محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت پہونچی بھی نہیں ہے، انہیں امید تھی کہ ان تک دعوت پہونچے گی تو وہ قبول کرلیں گے، اس لئے صحابہ کی تمنا تھی کہ وہ جیتیں۔ براہ راست ان دونوں میں سے کسی کی شکست و فتح سے کوئی خاص اثر جزیرۃ العرب پر پڑنے والا نہیں تھا، لیکن صحابہ حالات پر نظر رکھتے تھے اور اس کی وجہ سے انکی ہمدردیاں رومی طاقت کو حاصل تھیں، مگر جب یہ نتیجہ صحابہ کی خواہش اور تمناؤں کے بر عکس نکلا، ایرانیوں کو فتح ہوئی اور رومی ہار گئے، تو مکہ کے مشرکین کو موقع ملا اور انہوں نے جملے کسنے شروع کئے، پروپگنڈہ کرنا شروع کیا ایسی باتیں کرنی شروع کیں جن سے صحابہ کی ہمتیں ٹوٹیں، یہاں تک کہ انہوں نے یہ صاف صاف کہنا شروع کردیا کہ جزیرۃ العرب کے پڑوس میں ہونے والی جنگ کا جو نتیجہ نکلا ہے اسی طرح کا نتیجہ ہماری تمہاری جنگ کا بھی نکلے گا، یہاں بھی مورتی پوجا اور بت پرستی کرنے والوں کی فتح ہوگی اور اس کا انکار کرنے والوں کی شکست ہوگی جیسا کہ وہاں ہوئی۔ ان باتوں سے صحابہ کرام کا دل متأثر ہونے لگا تو فورا اس شفیق پروردگار نے کچھ آیات اتاریں ایک سورت اتاری اس سورت کا نام ہی رکھوا دیا سورۃ الروم اور اس میں شروع ہی میں یہ ارشاد فرمایا کہ صحیح ہے کہ پڑوس کے ملک میں رومیوں کو شکست ہوئی ہے غُلِبَتِ الرُّوْمُ ﴿۲﴾ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ لیکن ہم تم کو بتاتے ہیں وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ﴿۳﴾ لیکن اس مرتبہ کی

شکست کے بعد آئندہ ان کی فتح کی باری ہے یہ کامیاب ہونگے یہ غالب آئینگے کتنی مدت میں؟ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ایک ایسا لفظ بولا جو عربی زبان میں کم سے کم تین اور زیادہ سے زیادہ نو سال پر دلالت کرتا ہے یعنی نو سال تک حالات بدلیں گے، نقشہ بدلے گا اِن رومیوں کو آئندہ ۹ سال کے اندر اندر فتح ملے گی وَهُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۝ وہ جو پہلے ہوا اور جو آئندہ ہوگا وہ سب بھی اللہ کے حکم سے ہوا اور ہوگا لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ اور اس دن کیا ہوگا وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ بِنَصْرِ اللّٰهِ اور اس دن ایمان والے خوش ہونگے اللہ کی مدد کو دیکھ کر اور اللہ جس کی چاہتا ہے مدد فرما کر غلبہ نصیب فرما دیتا ہے۔ اس واقعہ کی تفصیلات میں جانے کا اس وقت موقع نہیں ہے صرف یہ عرض کرنا ہے کہ جس وقت صحابہ کرام کے دل و دماغ پر ایک ہلکا سا منفی تأثر آنے لگا تو فوراً اللہ تعالیٰ نے حالات کے منفی تأثر سے نکال کر اور مستقبل میں آنے والے مثبت امکانات کی طرف ان کی توجہ کو موڑ کر انکو ذہنی اور نفسیاتی طور پر پھر ایک مرتبہ معتدل اور نارمل بنا دیا اور ان کی کمزور ہوتی ہوئی ہمتوں کو تھام لیا تاکہ وہ اپنی جدوجہد کو نئے حوصلے اور نئے ارادے کے ساتھ جاری رکھیں۔

سورہ ابراہیم کی ایک اور آیت میں نے پڑھی تھی وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ اس آیت میں نبوتوں کی تاریخ کا خلاصہ بیان ہوا ہے کہ بار بار ایسا ہوا ہے کہ نبیوں نے جن قوموں پر محنت کی اور جن کو ایمان کی دعوت دی اور جن کی خیر خواہی کے پیچھے اپنی جانیں کھپا دیں ان قوموں نے اپنے نبیوں کی نافرمانی کرتے کرتے بات یہاں تک پہونچا دی کہ کھلا ہوا چیلنج اپنے وقت کے نبیوں کو دینے لگے یہ کہتے ہوئے کہ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا تم کو ہمارا دیش چھوڑنا پڑے گا ورنہ ہماری سنسکرتی سوئیکار کرنی پڑے گی ہماری تہذیب کو قبول کرنا پڑے گا لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا تصور کیجئے کہ حالات کس قدر سنگین ہو گئے تھے مگر غور کیجئے اللہ نے حالات کی اس منظر کشی کے بعد آگے کیا فرمایا ہے؟ ارشاد ہوا ہے فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۳ جب اس اسٹیج تک بات پہونچی تو اس وقت ان نبیوں کے رب نے ان نبیوں کے مربّی نے ان نبیوں کے پروردگار نے نہایت خاموشی کے ساتھ ان نبیوں تک ایک پیغام بھیجا۔ یاد رکھئے گا اللہ تعالیٰ نے اپنے ان نبیوں رسولوں کو پیغام بھیجا جن کو اپنے زمانے میں یہ چیلنجز دئے جا رہے تھے: لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۳ ہمارا منصوبہ یہ ہے کہ اب ہم ظلم کرنے والوں کو نیست نابود کریں گے یعنی دیکھنے میں حالات کچھ اور ہیں مگر میرے نبیو! میرے نمائندو! ہمارا منصوبہ کچھ اور ہے، اس منصوبہ کو سمجھو لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۳ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْ

بَعْدِهِمْ اور وہ منصوبہ یہ ہے کہ ہم (ان لوگوں میں سے) ظلم کرنے والوں کو ہلاک کر دیں گے اور تم کو ہی ٹھیرائیں گے اس ملک میں جس سے تم کو نکالنے کی یہ لوگ دھمکی دے رہے ہیں، تم ہی وہاں سکون واطمینان کے ساتھ رہو گے وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لیکن ایک بات کا خیال رکھنا ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ خوش خبری ان کے لئے ہے جو روز محشر ہمارے سامنے حاضری سے ڈرتے رہیں گے میری سزا سے بچنے کی تدبیریں کرتے رہیں گے تقویٰ والوں کے ساتھ میری دنیا میں بھی مدد آئے گی اور ہم ان کے خلاف کی جانے والی سازشیں کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔

ناکامیوں، آزمائشوں اور منفی حالات وتجربات کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے کلام کے ذریعہ کس طرح اہل ایمان کا حوصلہ بڑھاتے تھے، اسکی ایک مثال اور پیش کرتا ہوں۔ غزوہ احد کا نتیجہ کتنا تکلیف دہ نکلا تھا؟ اور کیسے شدید زخم اس کے نتیجہ میں اس وقت کے پورے اسلامی وجود کے جسم وروح پر لگے تھے؟ اس سے آپ ضرور واقف ہوں گے اس واقعہ کے بعد صحابہ کرام کو شکست خوردگی کی نفسیاتی کیفیت سے نکالنے کے لئے فوری طور پر اللہ تعالیٰ نے سورہ آل عمران کی متعدد آیات بھیجی تھیں۔ ان ہی میں سے یہ ارشاد خداوندی بھی ہے وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٣٩﴾ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٤٠﴾ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٤١﴾

ان آیات کی تفصیلی تشریح یہاں مقصود نہیں ہے۔ بس اتنا ذہن نشین کر لیجئے کہ پہلی بات ان آیات میں یہ کہی گئی کہ ہمت نہ ہار جانا اور نہ مایوسی کا شکار ہو جانا اور پھر فرمایا گیا کہ یہ تو اس دنیا میں ہوتا ہی رہتا ہے، مایوسی کے بجائے ان حالات کا جائزہ لینا کہ ہم سے کیا غلطیاں ہوئی ہیں، ہم میں کیا کمزوریاں ہیں جن کی وجہ سے ہم کو یہ دن دیکھنا پڑا؟ کیوں کہ ان حالات کو اللہ نے بھیجا ہی اس لئے ہے کہ تم اپنی خامیوں کو دور کرو اس لئے کہ مختلف تجربات سے اور خاص کر منفی تجربات اور ناکامیوں سے گذرے بغیر انسان کو خود بھی اپنی خامیوں کا اندازہ نہیں ہوتا، اور نہ قیادت کو جماعت کی کمزوریوں کا پورا علم ہوتا ہے۔

اب آئیے یہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ اسی غزوۂ احد کی وجہ سے صحابہ کو جو سخت نفسیاتی صدمہ پہونچا تھا اس سے نکالنے کے لئے ان کے اور ہم سب کے قائد رحمت دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا عملی تدبیر کی تھی۔

مختصراً عرض ہے کہ ابوسفیان کی قیادت میں مشرکین مکہ کا لشکر مدینہ سے مکہ واپسی کے ارادے سے

نکلا ہی تھا کہ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان کر دیا کہ چلو! اس لشکر کے تعاقب کے لئے اٹھ جاؤ! اور اپنے زخموں کو بھول کر دیوانوں کی یہ فوج حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اس لشکر کے تعاقب میں نکل کھڑی ہوئی، اور مدینہ سے آٹھ میل تک کا سفر کر ڈالا ۔۔۔۔ اس کی خبر ابوسفیان کو ملی تو گھبرا گیا اور بجائے رک کر یا پلٹ کر مقابلہ کرنے کے تیزی کے ساتھ مکہ چلا گیا! یہاں ہم یہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اقدامی کارروائی میں فوراً مشغول کر دینے سے صحابہ کی نفسیات پر کیا زبردست مثبت اثر پڑا ہوگا۔ وہ اگر اپنے مقام پر رہتے تو نہ جانے کن خیالوں میں مغلوب رہتے؟ مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں کچھ منفی باتوں کے سوچنے کا موقع نہیں دیا اور ان کے قدم آگے کی طرف بڑھا دئے اور اس طرح ایک اقدامی کارروائی کے ذریعہ ان کو منفی سوچ اور مایوسی سے نکال کر ان کے دل و دماغ کو ایک ایسی نفسیاتی کیفیت بخش دی جس نے انہیں زبردست عزم و حوصلے سے بھرپور اور عملی کارروائی میں مشغول کر دیا —— یہ ہیں چند مثالیں اس بات کی کہ جب حالات ایسے ہوں تو ان لوگوں کو جن کے کندھوں پر امت کی قیادت کی ذمے داری ہے انہیں کیا کرنا چاہئے۔ اور اپنی اور اپنی قوم کی توجہ کو کسی طرح ایسا رخ دیدینا چاہئے کہ قوم کے حوصلے بلند رہیں اور منفی سوچ کے بجائے مثبت سوچ اور اپنی غلطیوں کے جائزے اور تلافی کی توفیق عام ہو۔

حضرات! اب میں اس قرآنی اور نبوی طرز عمل سے اپنی حقیری بساط کے مطابق روشنی لیتے ہوئے ان حالات کے تناظر میں جس سے ہم ہندوستانی مسلمان اس وقت گذر رہے ہیں کچھ عرض کرنے کی کوشش کروں گا، مجھے اپنی بے بضاعتی اور موضوع کی اہمیت کے ساتھ اس موقع کی نزاکت کا بھی احساس ہے کہ یہاں نہ صرف گجرات کے اکثر مؤقر علماء اور اکابرین موجود ہیں بلکہ ہم سب کے مخدوم حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ بھی موجود ہیں۔ اس لئے آپ سب حضرات سے خصوصاً اپنے اکابرین میں دست بستہ دعاؤں اور توجہات کا طالب ہوں۔

دیکھئے پوری انسانی برادری اس وقت تبدیلی کے لئے بے چین ہے ملک کی اور دنیا کی جو موجودہ صورت حال ہے جو EXISITING SITIUATION ہے اس سے ہمارے ملک کے اور پوری دنیا بھر کے لوگ اب بالکل مطمئن نہیں ہیں۔ لوگ تبدیلی چاہتے ہیں، بدلاؤ چاہتے ہیں، ہر طرف تلاش ہے بہتر قوانین کی، بہتر معاشرہ کی اور بہتر تہذیب کی، بہتر تمدن کی، بہتر حکمرانی کی، بہتر معاشی نظام کی، بہتر سیاسی نظام کی اس وقت پوری دنیا کے انسان ایک بہتر معاشرے کو تلاش کر رہے ہیں۔ یاد رکھیں کہ تاریخ میں یہ موڑ

بار بار نہیں آیا کرتے تاریخ کا جو اکثر حصہ گذرتا ہے وہ غفلت کا ہوتا ہے جس میں عوام مست اور بے خبر ہوتے ہیں، نفسی نفسی میں لگی ہوتے ہیں اور کسی کو کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ دنیا میں کیا ہورہا ہے؟ ان کو اپنے کام سے کام ہوتا ہے۔ تاریخ کا جو اکثر حصہ گذرتا ہے وہ اس طرح گذرتا ہے۔ لیکن تاریخ میں کچھ موڑ آتے ہیں اس موڑ میں سب سے پہلے یہ ہوتا ہے کہ دنیا کے بہت سے انسانوں کے اندر ایک بے چینی پیدا ہونے لگتی ہے کہ جو ہورہا ہے غلط ہورہا ہے اس کو تبدیل کرو! یہ الگ بات ہے کہ وہ لوگ نہیں جانتے کہ تبدیلی کیسے آئے گی؟ وہ نہیں جانتے کہ تبدیلی اس وقت تک آ ہی نہیں سکتی، ایک صالح تبدیلی اور امن وانصاف اس وقت تک آ ہی نہیں سکتا جب تک معاشرہ ان اصولوں پر نہ چلایا جائے جو اصول انسانیت کی ہر پہلو سے ترقی اور خوش حالی کے لئے اور دنیا سے لے کر آخرت تک کی کامیابی کے لئے انسانیت کے شفیق پروردگار نے قرآن میں اتارے ہیں۔ ہمیں محسوس کرنا چاہئے کہ تبدیلی کی تمنا کرنے والے جو لوگ ہیں وہ بھی میرے اور آپ کے بھائی ہیں میری اور آپ کی بہنیں ہیں ہماری قوم کے عزیز نوجوان لڑکے اور لڑکیاں ہیں، وہ بہت عاجز ہیں اس بات سے کہ بچیوں کا باہر نکلنا مصیبت ہے، اور عورتوں کا ٹوائلٹ کے لئے جانا مصیبت ہے، اپنے اسکول کالج جانا مصیبت ہے، عزتیں لوٹی جارہی ہیں، اغوا کیا جارہا ہے، قتل ہورہے ہیں، گولیاں چل رہی ہیں، بد امنی اور مہنگائی بڑھتی جارہی ہے، بدعنوانی ہے، کرپشن ہے، لوٹ کھسوٹ ہے، لوگ اس پوری صورت حال سے تنگ آچکے ہیں۔ —— یہ بے چینی اور تبدیلی کی ضرورت کا احساس ہمارے ملک میں اور پوری دنیا میں پھیل رہا ہے۔ اور ہو یہ رہا ہے کہ سیاسی پارٹیاں عوام کی اس بے چینی کا فائدہ اٹھالیتی ہیں اور انہیں امید دلا دیتی ہیں کہ ہم یہ سب تبدیلیاں لے آئیں گے۔ مگر پھر کیا وہ سب تبدیلیاں آجاتی ہیں؟ ہرگز نہیں! آ ہی نہیں سکتیں، ایک تو اس لئے کہ ان کا مقصد واقعۃً تبدیلیوں کا لانا اور معاشرہ کی اصلاح ہوتا ہی نہیں اور دوسرے یہ کہ وہ ان اصولوں کو نہیں جانتے جن پر عمل کئے بغیر صالح تبدیلی آ ہی نہیں سکتی۔

حضرات! دنیا میں جتنے انبیاء علیہ السلام آئے اگر آپ ان کی تاریخ پر ان کے زمانے کے حالات پر ٹھیک سے غور کریں تو آپ محسوس کریں گے کہ انبیاء علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ اُس دور میں بھیجا کرتے تھے جب تبدیلی کے لئے بے چینی خاصے لوگوں کے دل ودماغ میں آچکی ہوتی تھی ایک تلاش ہوتی تھی، ایک جستجو، ایک بے چینی، ایک بے اطمینانی کی کیفیت ہوتی تھی۔ مثال کے طور پر رحمتِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ جب ہجرت کرکے پہونچے ہیں وہ کونسا زمانہ تھا؟ اس دور میں مدینہ منورہ میں کیا حالات تھے؟ ام المومنین سیدہ

عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ منورہ لانے کے لئے اللہ نے وہ وقت چنا کہ مدینہ اس سے پہلے ایک طویل خانہ جنگی میں آپس میں لڑتے لڑتے تھک چکا تھا، سالہا سال سے مدینہ میں خانہ جنگی چل رہی تھی اور مدینہ کے اندر کا ضمیر اور مدینہ کے اندر کے لوگوں کا ایک جذبہ بن گیا تھا کہ بھائی کوئی ایسا فارمولہ آجائے کسی کے بھی ذریعہ آئے جس سے ہم آپس میں مل جل کر رہنے لگیں اور یہ اندرونی جنگ ختم ہوجائے ،تو جب وہ وقت آیا اور لوہا جب گرم ہوگیا تب بھیجا اللہ نے رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو۔ اور آپ نے کیا کیا؟ آتے ہی مدینہ منورہ میں آپ نے اس کی کوشش شروع کردی کہ آبادی کے مختلف حصوں اور وہاں کے عمائدین کے سامنے یہ بات واضح ہوجائے کہ آپ مدینہ کو ایک مہذب اور پُر امن معاشرہ بنانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ بہت جلد وہ وقت آگیا جب آپ نے مختلف سماجی اکائیوں کے زعماء کا ایک نمائندہ اجلاس بلالیا ——— مدینہ منورہ میں بلائی گئی اس عجیب وغریب اور تاریخ ساز بین الاقوامی یا بین المذاہب یا بین القبائل نشست کا جو عجیب وغریب نتیجہ نکلا وہ یہ تھا کہ آپس میں سب کے درمیان ایک پُرامن بقائے باہمی کا معاہدہ ہوگیا۔ اور یہ طے ہوگیا کہ مدینہ کے سب لوگ اپنے اپنے مذاہب پر عمل کرتے ہوئے ایک اکائی اور متحدہ طاقت بن کر رہیں گے اور بیرونی جارحیت کسی ایک پر بھی ہوگی تو سب مل کر اس کا مقابلہ کریں گے۔ اور اسی معاہدہ کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پورے مدینہ نے اپنا حکم یا فیصل یا مرجع بھی تسلیم کرلیا۔

مجھے خاص طور پر اس طرف توجہ دلانا ہے کہ رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا داد فراست سے یہ محسوس کیا کہ اس وقت مدینہ کا معاشرہ داخلی امن کے لئے بے قرار ہے، اور یہاں کے لوگوں کو سب سے زیادہ فکر یا تلاش اس بات کی ہے کہ کسی طرح ہمارے درمیان یہ روز روز کی لڑائیوں کا سلسلہ بند ہو۔ اوس اور خزرج یہ وہاں کے دو بڑے قبیلے تھے، اور ان کے درمیان آئے دن جنگیں ہوتی رہتی تھیں اور جیسا کہ محقق سیرت نگاروں نے اشارہ کیا ہے کہ انہیں یہ احساس بھی تھا کہ ان کے درمیان اس مسلسل خانہ جنگی کے پیچھے یہودیوں کی خفیہ ریشہ دوانیوں کا ہاتھ ہے اور ان کے سمجھ دار قائدین اس نتیجہ تک پہونچ چکے تھے کہ وہ دونوں اسی صورت میں پُر امن طور پر رہ سکتے ہیں جب کوئی تیسرا ایسا شخص ان کا قائد وحکمراں بن جائے جس کو وہ دونوں بھی تسلیم کرلیں اور یہود بھی اس کی مخالفت کی ہمت نہ کرسکیں۔

اب ذرا غور کیجئے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کتنی گہرائی سے صورت حال کو سمجھا، اور نہایت پرسکون، ٹھنڈے، مثبت اور حکیمانہ انداز سے ایسا ماحول بنا دیا کہ بغیر کسی منفی ردعمل یا ادنی سی مزاحمت کے مدینہ میں پُر

امن بقائے باہمی کے دور کی شروعات بھی ہوگئی اور اسلام کی رفاہی ریاست کا سنگ بنیاد بھی رکھ دیا گیا۔

فارغ ہونے والے نوجوان علماء! ابھی تھوڑی دیر پہلے صدر اجلاس حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب آپ کو خاص طور پر خطاب کرتے ہوئے آپ کو نصیحت کر رہے تھے کہ آپ پہچانیں کہ آپ کس دور میں ہیں؟ کس قسم کے معاشرہ اور کس قسم کے حالات میں ہیں میں ان ہی کے خطاب سے روشنی لے کر اسی اجمال کی کچھ تشریح کرنے کی کوشش کر رہا ہوں، خدا کے لئے یہ سمجھنے کی کوشش کیجئے کہ ہمارا یہ دور تبدیلی کے لئے بے قرار ہو رہا ہے۔ ہمیں حالات کو اس زاویہ سے دیکھنے کی عادت ڈالنی ہوگی، ہمیں پوری ہمدردی اور خلوص سے تبدیلی کے لئے بے چین اپنے ملک کے عوام بالخصوص نوجوانوں کو بتانا ہوگا کہ میری قوم کے لوگو! جو تبدیلی تم چاہتے ہو وہ صرف سیاسی پارٹیوں کو ادل بدل کر اقتدار کی کرسی پر بٹھانے سے نہیں آئے گی، اگر اس طرح تبدیلی آنی ہوتی تو بہت پہلے آچکی ہوتی، فرانس کا انقلاب جب آیا تھا تو وہ بھی تبدیلیوں کے نعرے پر آیا تھا، امید دلائی گئی تھی کہ اب عوام براہ راست حکمراں ہوں گے، مگر کیا خواب شرمندۂ تعبیر ہوا؟ روس کا انقلاب بھی مزدوروں اور غریبوں کو برابر کے حقوق دلانے کے نعرے پر برپا ہوا تھا، مگر کیا یہ خواب بھی شرمندۂ تعبیر ہوا؟ ہمارے ملک کی آزادی کی تحریک بھی نہایت سہانے خواب دیکھتے ہوئے چلائی گئی تھی، مگر کیا وہ خواب شرمندۂ تعبیر ہوا؟ وہ امیدیں پوری ہوئیں؟؟؟ پاکستان کا قیام بھی اسلامی رفاہی ریاست بلکہ ایک مثالی معاشرہ کے قیام کے نعرے لگا کر اور اس کی امیدیں دل و دماغ پر سجا کر کیا گیا تھا مگر وہاں کیا ہوا؟ اور کیا ہو رہا ہے؟ بس ہے ادب شرط، منھ نہ کھلواؤ۔ وہاں کا حال تو یہ ہے کہ ع

جو میں بتکدے میں کروں بیاں، تو کہے صنم بھی ہری ہری

اس لئے ہمیں آپ کو اپنی قوم کے اِن عوام و خواص کو، ان نوجوانوں کو بڑے درد اور پورے اعتماد کے ساتھ بتانا ہوگا کہ تبدیلی باہر سے نہیں اندر سے آتی ہے۔ جب تک لوگوں کے اندر احساس ذمے داری اور انسانی شعور بیدار نہیں ہوگا، جب تک ہمدردی، دیانت داری ایثار اور اس طرح کی اخلاقی خوبیاں نہیں پیدا ہوں گی، صرف سیاسی پارٹیوں کی تبدیلیوں سے وہ تبدیلی نہیں آسکتی جو تم لانا چاہتے ہو —— ہم تبدیلی کی اس خواہش میں تمہارے ساتھ ہیں، البتہ تبدیلی کیسے آئے گی؟ ہم بہت محبت کے ساتھ چاہتے ہیں کہ اس سلسلہ میں ہماری باتوں کو تم دھیان سے سنو، اور غور کرو۔

حضرات میں کہنا چاہتا ہوں کہ انبیاء علیہ السلام سے زیادہ یہ حقیقت کون جانتا تھا کہ ہماری قومیں

جن مسائل کے حل کے لئے بے چین ہیں ان مسائل کا حل صرف اور صرف اللہ کی بندگی اور اس کے بتائے ہوئے طرز زندگی کو اپنانے میں ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اچھی طرح جان لیا تھا کہ مصر کے بادشاہ کے دل ودماغ پر صرف یہ فکر چھائی ہوئی ہے کہ میرے ملک کو آئندہ آنے والی خشک سالی اور بھکمری سے کیسے بچایا جائے؟؟ اس وقت یوسف علیہ السلام نے اور کوئی مسئلہ چھیڑے بغیر، یہاں تک کہ اس کو دعوت ایمان دئے بغیر، اسی مسئلہ کے حل کے لئے اپنی خدمات کو پیش کر دیا۔ اور تاریخ گواہ ہے کہ انہوں نے مسئلہ حل کر کے بھی دکھایا اور آگے چل کر اسی کے نتیجے میں ملک کے باشندوں کو دنیا وآخرت کے تمام مسئلوں کا حل بھی مل گیا، یعنی اسلام، اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی بخوبی سمجھ لیا تھا کہ مدینہ کے باشندوں، خصوصاً ان کے خواص کے دل ودماغ پر مدینہ کے "**اندرونی امن**" کا مسئلہ چھایا ہوا ہے چنانچہ آپ نے بھی اس مسئلہ کو پوری اہمیت دیتے ہوئے اس کا حل پیش کر دیا اور پھر آگے کے لئے راستے کھلتے چلے گئے!!!

کاش ہم اہل مدارس اور اہل علم اور دعوت سے تعلق رکھنے والے لوگ بھی یہ سمجھیں کہ اس وقت ضرورت ہے اس بات کی کہ ملک میں "**تبدیلی**" کی اس تلاش وجستجو کو ہم مثبت نظر سے دیکھیں، اور ہماری طرف سے ملک کے عوام وخواص کو یہ واضح پیغام جائے کہ تبدیلی کی ضرورت کے احساس میں ہم آپ کے ساتھ شریک ہیں بلکہ اس سے آگے بڑھ کر اس تبدیلی کے لئے ہمارے پاس ایک یقینی اور تفصیلی لائحہ عمل بھی ہے۔ وہ ہم آپ سب کے سامنے رکھنا چاہتے ہیں.......

یہاں پر آکر ایک اور بات نہایت ادب و احترام کے ساتھ مدارس کے ذمے دار حضرات ،حضرات اساتذہ کرام سے، اور عزیز طلبہ سے کہنا ضروری سمجھتا ہوں۔ اپنی ملکی اور انسانی برادری کو اس طرح خطاب کرنے اور صورتحال کا اس رخ پر مبنی مثبت تجزیہ کرنے کے لئے ہمیں جس مثبت داعیانہ مزاج اور ملکی وعالمی حالات پر جیسی نظر رکھنے والے علماء کی ضرورت ہے، ہمیں ضرور سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے کہ کیا ہم اس طرح کے علماء تیار کر رہے ہیں؟ اگر ہاں! تو بہت مبارک، مگر میرا خیال ہے کہ اس سوال کا جواب ہم میں سے ہر ایک یہی دے گا کہ نہیں اس طرح کے "**بصیرت کے ساتھ دعوتی مزاج رکھنے والے اہل علم**"، ہم پیدا نہیں کر پا رہے ہیں۔

مدارس کے اجلاس میں طلبہ کی تقریریں جوان کے اساتذہ تیار کر کے ان کو دیتے ہیں، اور وہ عزیز طلبہ بڑی محنت سے تیاری کر کے وہ تقریریں پیش کرتے ہیں، ان کو سن کر بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ابھی ہم نے یہاں بھی کچھ تقریریں سنی ہیں بعض تقریروں کو سن کر اندازہ ہوتا ہے کہ اساتذہ نے اپنے نزدیک یہ

کوشش کی ہے کہ طلبہ کو اس فکر و مسلک کا ترجمان بنایا جائے جسے عام طور پر ''مسلک دیوبند'' کہا جاتا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اپنے اکابر کے ذوق و مزاج اور مسلک و مشرب کو زیادہ گہرائی سے سمجھنے کی بہت کمی ہے....

میرے عزیز نوجوان علماء اور طلبہ! اپنے اساتذہ سے تفصیل معلوم کرنا، ہمارے عظیم مسلک کے مرجع و امام حضرت شاہ ولی اللہ کا ذوق و مزاج اور طرز کلام کیا تھا؟ وہ مسلمانوں کے تمام مسلکوں کے درمیان فاصلے کم کرنا چاہتے تھے اور پوری توانائی اندرونی انحرافات سے دین اور امت کی حفاظت کے ساتھ کفر و ظلم کے مقابلہ پر خرچ کرنے کا مزاج بھی بنانا چاہتے تھے، پھر اسی مدرسہ ولی اللہی کے عظیم ترجمان اور جماعت دیو بند کے بانی حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا طرز کلام اور طرز عمل کیا تھا۔ سرسید کے متعدد افکار سے ان کو شدید اختلاف تھا، مگر کبھی انہوں نے ان کی ذات یا شخصیت پر حملہ نہیں کیا۔ حضرت گنگوہیؒ کے خلاف فتووں کی بارش ہوتی رہی، مگر انہوں نے کبھی کوئی جواب نہیں دیا۔ ہمارے یہ اکابر جن کا ہم نام لیتے ہیں مگر غیر شعوری طور پر ان کے اصل مسلک اور ذوق و مزاج سے دور ہوتے چلے جارہے ہیں اُن سب کا یہی طرز تھا ہمارے اکثر طلبہ ۱۰-۱۲ سال مدرسہ کے اندر زندگی گزار کر جب نکلتے ہیں تو اکثر و بیشتر ایسا ذوق و مزاج اور ایسا طرز کلام لے کر نکلتے ہیں کہ انہیں کیا اپنے کیا پرائے سب ''حریف'' اور ''دشمن'' نظر آتے ہیں۔ جن کے لئے ان کے دل میں خیر خواہی، اور ہمدردی کے جذبات نہیں غیظ و غضب کی آگ بھڑک رہی ہوتی ہے۔

اس موقع پر میں ان نوجون علماء کو اپنے بزرگوں کی تاریخ کا ایک عظیم الشان واقعہ سنانا چاہتا ہوں اور مجھے خوشی ہے کہ یہاں اس وقت مسلم پرسنل لا بورڈ کے عالی مقام صدر بھی تشریف فرما ہیں۔ آپ جانتے ہوں گے کہ یہ بورڈ مسلمانوں کے مختلف فرقوں، مسلکوں اور مکاتبِ فکر کا متحدہ پلیٹ فارم ہے، جو ہمارے ملک میں تحفظ شریعت کی لڑائی لڑ رہا ہے۔ آپ میں شاید کچھ لوگ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ اس بورڈ کے پہلے منتخب صدر جماعت دیوبند کے عظیم رہنما حکیم الاسام حضرت مولانا قاری طیب صاحبؒ تھے، اور یہاں بیٹھے ہوئے بڑے علماء شاید یہ بھی جانتے ہوں گے کہ بمبئی کے اس عظیم اور تاریخی اجلاس میں جس میں بورڈ کے قیام کا فیصلہ کیا گیا تھا، بورڈ کی صدارت کے عہدے کے لئے حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے نام کی تجویز سب سے پہلے بریلوی مسلک کے اس وقت کے سب سے بڑے عالم مولانا محمد برہان الدین رضوی قادری نے پیش کی تھی، اور اب سنئے کہ ایسا کیسے ممکن ہوا تھا؟ ہوا یہ تھا کہ اجلاس کے لئے کئی بار ان کی خدمت میں دعوت نامہ بھیجے جانے کے باوجود جب کوئی واضح جواب ان کی طرف سے نہیں آیا، تو ہمارے کئی

اکابر اہل علم جن میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب بھی تھے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور حضرت قاری صاحبؒ نے وہاں پہونچ کر اپنی ٹوپی ان کے قدموں میں یہ کہتے ہوئے رکھ دی کہ حضرت! ہندوستان میں تحفظ شریعت کی بھیک مانگنے آیا ہوں .... بس یہ سننا تھا کہ ان کا دل متأثر ہوگیا ،اورانہوں نے اپنی شرکت کی یقین دھانی کرادی ...... تو یہ ہے ہمارے بزرگوں کا طرز، وہ موقع محل اور حالات کی رعایت کرتے تھے، وہ اپنی عادت کے بجائے ملت کی ضرورت کا لحاظ کر کے طرز عمل اختیار کرتے تھے ..... میں یہاں موجود ملک اور صوبے کے عظیم علماء کی موجودگی میں اور گجرات کی اس تاریخی درس گاہ میں یہ گذارش کرنے کی جسارت کرتا ہوں کہ اس نقطۂ نظر سے اپنے مدارس میں تعلیم وتربیت کے طریقوں پر اور طرز تدریس پر نظر ڈالی جائے گی تو اصلاح کی بڑی گنجائش سامنے آئے گی۔

ہمارے ان عظیم مدارس نے سخت نا مساعد حالات میں اسلام کی حفاظت کا جو عظیم الشان کام انجام دیا ہے اس کا اعتراف نہ کرنا اپنی جہالت یا عناد کا ثبوت دینا ہے اب ان ہی مدارس کو اسلام کی اشاعت اور اقامت کا کام بھی انجام دینا ہے۔

ہمیں اپنی امت کو بدعات سے، گمراہیوں سے اور فکری انحرافات سے بچانے کا کام بھی کرنا ہے۔ اور اس سلسلہ میں کسی کمزوری یا مداہنت سے ہرگز کام نہیں لینا ہے۔مگر اس کے لئے بھی انداز ناصحانہ و داعیانہ ہی اختیار کرنا ہے۔سبّ وشتم اور تحقیر وتذلیل کے انداز سے گریز کرنا ہے اور مستقل طور پر ایسا انداز وہی اختیار کرسکتا ہے جس کے مزاج میں تکبر نہ ہو تواضع ہو، جس کے دل میں اپنے مخاطب کے لئے بے پناہ خیر خواہی کا جذبہ ہو اور جس کا دل نفسانیت اور انانیت جیسی بیماریوں سے محفوظ ہو۔ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿۳۵﴾ اور ہمیں اپنی ملکی اور انسانی برادری کے سامنے حکمت اور بصیرت کے ساتھ اللہ کا محبت بھرا پیغام بھی رکھنا ہے۔اللہ کرے ہمارے اندر نبوت کی پوری وراثت کے تحمل کا حوصلہ اور سلیقہ پیدا ہوجائے۔آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

☆☆☆

مولانا عتیق احمد بستوی☆

فکر کی غلطی کا نیا ایڈیشن
تعارفی کلمات

[مولانا وحید الدین خاں صاحب دور حاضر کے ممتاز اہل فکر و قلم میں سے ہیں ہم جیسوں کے لئے جو ان کی صلاحیتوں کے معترف رہے ہیں عرصہ سے ان کی فکری روش بہت حیرت و استعجاب اور رنج و افسوس کا باعث بنی ہوئی ہے۔ان کے ان افکار پر علمی نقد کرنے والوں میں ہمارے مولانا عتیق احمد بستوی صاحب سرفہرست ہیں ——اس موضوع پر ایک مکمل کتاب ''فکر کی غلطی'' سب سے پہلے ان ہی کے قلم سے نکلی تھی —— حال ہی میں اس کا ایک نیا ایڈیشن کچھ اہم اور بیش قیمت اضافوں کے ساتھ شائع ہوا ہے —— مولانا عتیق صاحب نے اس پر جو مختصر سا مقدمہ لکھا ہے مولانا کی خواہش تھی کہ وہ الفرقان میں بھی شائع ہوجائے۔چنانچہ ذیل میں وہی مقدمہ نذر ناظرین کیا جارہا ہے۔—————— مدیر]

سن انیس سو نوے ۱۹۹۰ء کی بات ہے، جب میری کتاب **''فکر کی غلطی''** پہلی بار شائع ہوئی، جناب وحید الدین خاں صاحب کے افکار کے تنقیدی جائزہ پر مشتمل یہ پہلی باقاعدہ کتاب تھی،اس سے پہلے بعض اہل علم نے خاں صاحب کے بعض افکار پر تنقیدی مضامین ضرور لکھے تھے،لیکن علمی اور دینی حلقوں میں خاں صاحب کے منحرف افکار کے مفصل جائزہ کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی۔

میں جناب وحید الدین خاں صاحب کی تحریروں کا شروع سے قدرداں رہا ہوں،ان کے اسلوب کی سادگی اور دلکشی اپنی طرف کھینچتی تھی،ان کی جو کتابیں اور مضامین دستیاب ہوتے ہیں انہیں پڑھ لیا کرتا تھا،ان کی مشہور کتاب **''علم جدید کا چیلنج''** جو مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن ندویؒ کی سرپرستی اور نگرانی میں لکھی گئی اور جس کی پہلی اشاعت مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ سے ہوئی ان کا تصنیفی شاہکار ہے،اسی

☆ استاذ حدیث وفقہ دار العلوم ندوۃ العلماء، وصدر معہد الشریعہ،لکھنؤ۔

کتاب سے انھیں شہرت کے بال و پر لگے، اور علمی اور دینی حلقوں میں ان کا بھرپور تعارف ہوا، یہ شہرت ان کو راس نہیں آئی، اور رفتہ رفتہ وہ پندار علم میں گرفتار ہو گئے، اور انہیں اپنے بارے میں ہمہ دانی کی غلط فہمی ہوگئی، حالانکہ وہ باقاعدہ عالم دین بھی نہیں تھے، مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڑھ میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ان کی باقاعدہ تعلیم کا سلسلہ منقطع ہو گیا تھا، اس کے بعد انہوں نے علوم دینیہ کے تعلق سے جو کچھ حاصل کیا اپنی ذاتی محنت ومطالعہ سے حاصل کیا، اساتذہ کی باقاعدہ نگرانی اور رہنمائی کے بغیر مطالعہ کرنے میں جو خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں وہ خاں صاحب میں در آئیں۔

الحمدللہ فکر کی غلطی بہت مقبول ہوئی، ہندوستان و پاکستان میں اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے اور کتاب ہاتھوں ہاتھ لی گئی، قارئین کے بے شمار تحسینی خطوط آئے، مختلف اخبارات ورسائل میں تبصرے شائع ہوئے، بہت سے مؤقر اہل علم نے مفصل تأثراتی خطوط لکھے، ایک سال کی مختصر مدت میں ہندوستان و پاکستان میں اس کتاب کے متعدد قانونی اور غیر قانونی ایڈیشن شائع ہوئے، الحمدللہ میں نے اپنا ایک دینی فریضہ سمجھ کر فکر کی غلطی کی تصنیف کا کام انجام دیا کتاب کی تصنیف سے پہلے میں نے خاں صاحب کی اکثر تصانیف اور ''**الرسالہ**'' کی بیشتر فائلوں کا مطالعہ کیا، اور کوشش کی کہ خاں صاحب کی منحرف اور شاذ افکار و خیالات کا بھرپور علمی اور تنقیدی جائزہ اس کتاب میں آجائے، لیکن کتاب کی اشاعت کے بعد میں اپنی دوسری تدریسی، تحقیقی اور تصنیفی مصروفیات میں لگ گیا، اور خاں صاحب کی نو بہ نو تصانیف اور مضامین کو میں نے اپنا مستقل موضوع نہیں بنایا، میرے خیال میں ''**فکر کی غلطی**'' میں میں نے جو کچھ لکھ دیا تھا وہ خاں صاحب کی شخصیت اور ان کی فکری اساسیات کو سمجھنے کے لئے بہت کافی ہے۔

''**فکر کی غلطی**'' کی اشاعت کے بعد وقفہ وقفہ سے ایسے خطوط آتے رہے جس میں فکر کی غلطی میں اضافہ کرنے اور خاں صاحب کے تازہ بہ تازہ افکار کا جائزہ لینے کی فرمائش کی گئی تھی، بعض حضرات نے اس سلسلہ میں فون سے رابطہ کیا، اور بعض نے ملاقاتوں میں اس ضرورت کا اظہار کیا، لیکن میں اپنی مصروفیات کی وجہ سے اس طرف توجہ نہ کرسکا، اور یہ احساس بھی مزید کچھ لکھنے سے مانع رہا کہ خاں صاحب پر اب تو بہت سی کتابیں اور مضامین آچکے ہیں، اس لئے مزید کچھ لکھنے کی شائد ضرورت نہیں ہے، اور ''**فکر کی غلطی**'' میں جتنا کچھ لکھا جاچکا ہے وہ موصوف کی کج فکریوں اور گمراہوں کو سمجھنے کے لئے کافی ہے،

ادھر دو تین سالوں سے ''**فکر کی غلطی**'' میں اضافہ کرنے یا اس کی جلد دوم لکھے جانے کا تقاضا بہت بڑھ گیا خاں صاحب کے قلم سے ایسی بہت سی سنگین ترین باتیں اشاعت پذیر ہوئیں جن کی گمراہی واضح کرنا ازحد

ضروری تھا خصوصاً علامات قیامت (نزول مسیح، ظہور مہدی، خروج دجال، یا جوج ماجوج اور خروج دابہ وغیرہ) کے بارے میں انہوں نے جس طرح خامہ فرسائی کی اور احادیث متواترہ اور صحیحہ کو تاویل وتحریف کے ذریعہ مسخ کرنے کی کوشش کی، اس کا نوٹس لینا از حد ضروری تھا، اسی طرح مسئلہ فلسطین کے بارے میں انہوں نے جس طرح تلبیس اور تدلیس سے کام لیا ہے اور اسرائیل کی مدلل وکالت کی ہے اس کا علمی تجزیہ بھی انتہائی ضروری تھا۔

ادھر یہ بھی معلوم ہوا کہ مختلف شہروں اور علاقوں میں مشن کے طور پر "**الرسالہ**" کے شمارے اور خاں صاحب کی کتابیں بڑے پیمانے پر تقسیم کی جارہی ہیں، اور ناپختہ لوگ ان کے منحرف افکار اور گمراہ کن خیالات سے متأثر ہوتے جارہے ہیں، لکھنؤ شہر میں بھی یہ فتنہ زوروں پر ہے اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ "**فکر کی غلطی**" کا نیا ایڈیشن اضافوں کے ساتھ لایا جائے امید ہے کہ کتاب کا اضافہ شدہ نیا ایڈیشن زیادہ مقبول ہوگا اور خاں صاحب کی کتابوں اور تحریروں سے دینی حقائق کے بارے میں جو غلط فہمیاں اور گمراہیاں پھیل رہی ہیں ان کا مداوا ہوگا، خاں صاحب کی عمر اب ۹۰ سال سے متجاوز ہو چکی ہے اور یہ گنہ گار بھی ساٹھ سال کو پہونچ چکا ہے، اللہ تعالی سے دعا ہے کہ ہم سب کو اپنا محاسبہ کرنے اور آخرت کے لئے بھرپور تیاری کی توفیق عطا فرمائے۔

"**فکر کی غلطی**" کا پہلا ایڈیشن آنے کے بعد کتاب کا ایک نسخہ میں نے وحید الدین خاں صاحب کو بھی بھیجا تھا، اور یہ میری اخلاقی ذمہ داری تھی، اس وقت موصوف سے جو مراسلت رہی اسے بھی شامل کتاب کیا جارہا ہے، ان خطوط سے خاں صاحب کے مزاج و مذاق کا بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے، اسی طرح کتاب پر چند اہم تبصرے، تأثراتی خطوط بھی اس نئے ایڈیشن میں شامل ہیں، ان سے بھی انشاء اللہ خاں صاحب کے افکار و نظریات کو سمجھنے میں آسانی ہوگی اور بہت سی نئی چیزیں قارئین کے علم میں آئیں گی۔

میں اپنے ان تمام بزرگوں، عزیزوں، شاگردوں، قدردانوں اور اربابِ علم و دانش کا شکر گزار ہوں جن کی دعاؤں، اصرار اور تقاضوں کے نتیجہ میں "**فکر کی غلطی**" کا یہ اضافہ شدہ ایڈیشن اشاعت پذیر ہورہا ہے، مکتبہ احسان لکھنو کے ذمہ داران کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے اس کتاب کے تازہ ایڈیشن کے لئے بار بار تقاضے کئے اور کتابت وطباعت کے مراحل کو آسان بنایا، عزیزم مولانا عبد المغنی ندوی کے لئے دعا گو ہوں جن کی دلچسپی سے کتابت تکمیل کو پہونچی۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ کتاب کے اس نئے ایڈیشن کو قبولیت عطا فرمائے اور ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین یارب العالمین۔

☆☆☆

مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی

توضیحی ترجمۂ قرآن

کچھ خصوصیات

[عم مکرم مولانا محمد حسان نعمانی ندوی کے مرتب کردہ ''توضیحی ترجمۂ قرآن'' کا تذکرہ الفرقان کے صفحات میں آچکا ہے —— اس ترجمۂ کے تعارف کے طور پر والد گرامی نے ایک مضمون لکھا تھا جو اس میں شائع بھی ہو چکا ہے، بعض محترم قارئین کی توجہ دہانی پر الفرقان میں بھی شائع کیا جا رہا ہے —— بلال]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آپ نے بارہا پڑھا، سُنا، جانا اور دِل سے مانا ہوگا کہ جب انسانیت کے نام اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام نبی اُمّی سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اُترنا شروع ہوا تھا تو انہیں یہ شدید فکر رہنے لگی تھی کہ:

یہ کلام کیسے محفوظ رہے گا؟

یہ کلام پوری دنیا میں کیسے پڑھا جائے گا؟ (یاد رہے کہ جس نبی پر یہ کلام اُتر رہا تھا وہ خود نہ پڑھنا جانتا تھا، نہ لکھنا، اور اُس کی قوم بھی ''اَن پڑھ'' تھی)

اور پھر دُنیا بھر میں یہ عربی کلام کیسے سمجھا جائے گا؟؟؟

اور آپ نے یہ بھی بارہا سُنا ہوگا کہ اسی وقت اللہ نے اپنے اس بندے و رسول کی فکرمندی کو دور کرتے ہوئے بڑے صاف لفظوں میں ان کو یقین دہانی کراتے ہوئے کہا تھا کہ یہ تینوں کام ہمارے ذمے ہیں؛ یعنی:

۱۔ اپنے کلام کو یاد کرانا اور محفوظ کرانا بھی ہمارے ذمے ہے۔

۲۔　اس کو پڑھوانے کا انتظام کروانا بھی ہمارے ذمے ہے۔

۳۔　اور مسلسل اس کی توضیح وتشریح کرواتے رہنا بھی ہمارے ہی ذمے ہے۔

پوری دنیا گواہ ہے کہ اس عظیم رب کے یہ تینوں وعدے پورے ہوئے۔۔اللہ کی آخری کتاب ''قرآن مجید'' سو فیصد محفوظ ہے، چاردانگ عالم میں کروڑوں بندے اور بندیاں اسے یاد کرتے ہیں، یاد رکھتے ہیں، اس میں ایک حرف، ایک نقطے، ایک شوشے کی بھی کمی یا زیادتی نہیں ہوئی ــــــ اور ــــــ اسے پوری دُنیا میں پڑھا جاتا ہے، پڑھایا جاتا ہے، سُنا اور سُنایا جاتا ہے۔ بلا شبہ دُنیا میں کوئی کتاب اِس قدر اہتمام سے پڑھی اور پڑھائی نہیں جاتی ــــــ دُنیا کے اُن قوموں کے لوگ بھی جب قرآن پڑھتے ہیں جن کی زبان عربی نہیں، تو عرب کے لوگ بھی عش عش کرنے لگتے ہیں۔اور یہی نہیں بلکہ اس عظیم کتاب کے معانی ومطالب کی وضاحت اور عام لوگوں کے لئے اس کی تفسیر و توضیح کا بھی ایک لامتناہی سلسلہ ہے جو جاری ہے ــــــ ہر کچھ مدت کے بعد اللہ کا کوئی بندہ اُٹھتا ہے اور اس کتاب کی توضیح وتشریح اور اس کے ترجمے ووضاحت کی ایک نئی کوشش　　کسی نئی ضرورت اور نئے تقاضے کو محسوس کر کے ــــــ کرنے میں اپنی توانائی اور اپنی جان کھپا دیتا ہے۔۔۔ کیا یہ سب ''خود بخود'' اور بس ''اتفاقاً'' ہورہا ہے۔ نہیں اور ہرگز نہیں۔ یہ دراصل قرآن کو اُتارنے والے حکیم وعلیم اور قدیر وخبیر رب کی قدرت کی کارفرمائی ہے، اُس کے وعدے اور منصوبے کی تکمیل ہے، اور کھلی ہوئی نشانی ہے قرآن اور اسلام کی صداقت وحقانیت کی ۔

قرآن کے معانی ومطالب کی توضیح وتشریح کا جو سلسلہ خداوندی منصوبے کے تحت جاری ہے، اُسی سلسلے کی ایک تازہ کڑی، یہ کاوش بھی ہے؛ جو اِس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

ایک ضرورت کا شدید احساس برادر محترم ومکرم جناب مولانا محمد حسّان نعمانی کو ہوا کہ موجودہ مصروف زندگی میں اور خاص کر علم کی طلب میں زبردست کمی آجانے کی وجہ سے؛ لوگ قرآن کی تفسیریں تو کیا مختصر تفسیری حاشیئے بھی نہیں پڑھنا چاہتے، وہ چاہتے ہیں کہ صرف ترجمہ پڑھیں اور ترجمہ سے ہی انہیں مفہوم ومدّعا سمجھ میں آجائے ــــــ پس (انہی کے الفاظ میں) ''ضرورت محسوس ہوئی کہ کوئی ایسا ترجمہ ہو جس میں بات وہیں واضح ہو جائے اور قاری کو الگ سے حاشیہ میں نہ جانا پڑے۔۔۔۔'' اسی ضرورت کے شدید احساس نے ان کے دِل میں یہ عزم پیدا کر دیا کہ وہ خود اِس کی تکمیل کا بیڑا اُٹھائیں۔۔۔اور اللہ کے بھروسے پر انہوں نے نہایت خاموشی اور شدید محنت کے ساتھ کام شروع کر دیا۔ اور پانچ سال تک ایسی سخت محنت کی کہ دیکھنے والوں کو ان کے عزم وحوصلے، استقلال و استقامت اور یکسوئی وانہماک دیکھ کر رشک بھی آتا تھا، اور صحت پر سخت محنت کی وجہ سے بار بار جو اثر پڑتا تھا؛ اسے دیکھ کر تشویش بھی ہوتی تھی۔

قرآن مجید کی اِس تازہ خدمت (توضیحی ترجمے) کی ایک اہم خصوصیت کے بارے میں صرف ایک بات

عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔۔۔ ایک طرف تو ضرورت کا وہ احساس تھا جس کا تذکرہ سطور بالا میں کیا گیا اور جو اس توضیحی ترجمہ کے مرتّب مولانا محمد حسّان نعمانی کو اس کام کے لئے اُٹھ کھڑے ہونے پر مجبور کر رہا تھا، اور دوسری طرف کام کی نزاکت کا احساس تھا، جو رکاوٹ بنتا تھا، بالآخر انہوں نے اللہ کی توفیق سے اس کا یہ حل ڈھونڈ نکالا کہ مسلّم ومستند اکابر اہلِ علم مثلاً حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ، حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلویؒ، شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ، حکیم الامت حضرت تھانویؒ، حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ، حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ، حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی، حضرت مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی (وغیرہم) کے تراجم اور اُنکی تفسیری عبارتوں پر نظر ڈالی جائے، اور پھر ان میں سے جو ترجمہ اور جو تفسیری عبارت زیادہ آسان اور مفہوم ومدّعا کی بہتر سے بہتر وضاحت کرتی ہوئی نظر آئے؛ اس کو حتی الامکان بلفظہٖ وبعینہٖ لے لیا جائے۔ اپنی طرف سے ایک جملہ بھی نہ ترجمے کے طور پر لکھا جائے اور نہ بریکٹ میں لکھی جانے والی توضیحی وتفسیری عبارت کے طور پر لکھا جائے۔

اِس آخری خط کشیدہ جملے پر ذرا غور کیجئے! اور سوچیئے کہ اس اصول پر کام کرنے میں کتنی سخت محنت کرنی پڑی ہوگی، اور ہر ہر آیت کے لئے کتنے تراجم اور کتنی تفاسیر کا بغور مطالعہ کرنا پڑا ہوگا؟؟ مگر قربان جائیں اس ذوق ومزاج پر جو اس بندۂ خدا کو اپنے والدِ ماجد (حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ) سے اور انکے اساتذہ وشیوخ سے وراثت میں مِلا، صرف اپنے علم وفہم پر اعتماد کرنے کی غلطی نہ کرنا، کسی طرح کے زعم اور خود فریبی میں مبتلا نہ ہونا، اور اپنے اکابرو اسلاف کے ادب واحترام اور اُن ہی کے علوم سے استفادے واستناد کی روِش پر مضبوطی سے گامزن رہنا۔۔۔ یہی تو وہ طرز ہے جس میں سلامتی ہے، اور جو خود رائی وخود بینی اور خود فریبی کے اس دور میں عنقا ہوتا جارہا ہے ـــــ جتنی مبارک باد اِس خدمت کی توفیق ملنے پر دینے کا دِل چاہتا ہے، اتنی ہی مبارکباد اِس طرز کو اپنانے پر بھی دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔۔۔ مبارک ہو، ہزار بار مبارک ہو!!!

اس توضیحی ترجمہ کے فاضل مرتّب نے اپنی ''گذارشات'' والے تعارفی مضمون کے شروع ہی میں ذکر کیا ہے کہ جب شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ سے درخواست کی گئی تھی کہ قرآن مجید کا ایک نیا ترجمہ زمانۂ حال کی ضرورت کے مطابق کردیں، تو انہوں نے اپنی بے بضاعتی کے حوالے سے پہلے تو معذرت ہی کی، اور پھر بعد میں بڑی مشکل سے اس پر تیّار ہوئے کہ حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ کے ترجمۂ بامحاورہ (توضیح القرآن) کی ہی کچھ خدمت کرکے اسے ہی دورِ جدید کے اسلوب سے قریب تر کردیا جائے۔ کوئی نیا ترجمہ کرنے سے جو چیز ان کے لئے مانع تھی وہ یہ تھی کہ'' اب اگر کوئی نیا ترجمہ کیا جائے گا تو وہ آسان اور بامحاورہ تو ہوگا، مگر اُس میں حضرت شاہ صاحبؒ کے ترجمے کی خوبیاں کہاں سے آئیں گی؟ اِس اشکال کو خود حضرت شیخ الہندؒ ہی کی زبانی ملاحظہ کیجئے، وہ تحریر فرماتے ہیں:

''اس چھان بین اور دیکھ بھال میں تقدیرِ الٰہی سے یہ بات دِل میں جم گئی کہ حضرت شاہ صاحبؒ

کا افضل ومقبول ومفید ترجمہ رفتہ رفتہ تقویم پارینہ ہوجائے، یہ کس قدر نادانی بلکہ کفرانِ نعمت ہے، اور وہ بھی سرسری عذر کی وجہ سے، اور عذر بھی وہ جس میں ترجمے کا قصور نہیں، اگر قصور ہے تو لوگوں کی طلب کا قصور ہے۔۔۔''

اور پھر جب انہوں نے بالآخر شدید ضرورت کی بناء پر حضرت شاہ عبدالقادرؒ کے ترجمے کی کچھ خدمت کی بھی توکس احتیاط کے ساتھ؟ اس کے بارے میں انہوں نے خود بتایا کہ:

''جس موقع پر ہم کو لفظ بدلنے کی نوبت آئی، وہاں ہم نے یہ نہیں کیا کہ اپنی طرف سے جو مناسب سمجھا بڑھا دیا، نہیں، بلکہ حضرات اکابر کے تراجم میں سے لینے کی کوشش کی ہے، خود توضیح القرآن میں دوسری جگہ کوئی لفظ مِل گیا یا حضرت مولانا رفیع الدین صاحب کے ترجمے یا فتح الرحمٰن میں، حتی الوسع ان میں سے لینے کو پسند کیا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ایسا تغیر جس کی نظیر مقدس حضرات کے تراجم میں نہ ہو، ہم نے کُل ترجمے میں جائز نہیں رکھا، اتفاق سے اگر کوئی موقع اس غرض کے خلاف ہو تو یقیناً ہمارا سہو ہے یا خطا۔ بالقصد، جان بوجھ کر ہم نے ایسا کہیں نہیں کیا۔''

حضرت شیخ الہندؒ کے اس طرز عمل کا تذکرہ کر کے حضرت مولانا محمد شفیع صاحبؒ کے بڑے صاحبزادے جناب محمد ولی رازی صاحب نے (جنہوں نے ترجمۂ شیخ الہند پر حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے تفسیری حاشیوں کو ایک نئے انداز سے مرتب کیا تھا) ان الفاظ میں اپنا تأثر پیش کیا ہے:

''اللہ اکبر! ان حضرات کی بے نفسی، خوف خدا، اور اپنے بزرگوں کا احترام وادب کا یہ نمونہ کتنا مفید اور سبق آموز ہے، تمام تراجم میں تلاش وجستجو کی یہ محنت شاقّہ اس لئے اُٹھائی کہ اپنی جانب سے ایک آدھ لفظ کا اضافہ بھی گوارہ نہ تھا۔ اسی اخلاص وللّٰہیت کا ثمرہ ہے کہ ترجمہ شیخ الہند کو جو مقام آج حاصل ہے، وہ کسی دوسرے ترجمے کو حاصل نہیں، اس ترجمے کو موضح القرآن سے ممتاز رکھنے کے لئے آپ نے اس کا نام ''موضح فرقان'' تجویز فرمایا تھا، مگر یہ ''ترجمہ شیخ الہند'' ہی کے نام سے مشہور ومعروف ہوا۔''

ناچیز راقم سطور کے خیال میں اس ''توضیحی ترجمہ'' کے مرتّب مولانا محمد حسان نعمانی اس پہلو سے بھی مکتب عشق کے ہر طالب کی طرف سے مبارکباد کے مستحق ہیں؛ کہ انہوں نے بھی بزرگوں کی راہ پر چلنے کی ایک کامیاب کوشش کی ہے۔۔ اور اس بناء پر امید کی جاسکتی ہے کہ ان کو بھی اس کا وہی ثمرہ اور اس کاوش کو بھی وہی قبولیت ملے گی جو اس روش کو اپنانے کی صورت میں ہمیشہ ملا کرتی ہے۔

دِل تو چاہتا ہے کہ اِس توضیحی ترجمہ کی کچھ اور خصوصیات کا تفصیلی تذکرہ کروں، اور حوالوں کے ساتھ مختلف

مثالیں پیش کروں؛ تاکہ عام قارئین کے لئے اس طول وطویل محنت کو سمجھنا اور اس کی کماحقہٗ قدر کرنا آسان ہوجائے، لیکن طوالت سے بچنا بھی ضروری ہے۔۔۔ اسی طرح دِل کا سخت تقاضا ہے کہ اس توضیحی ترجمہ کے مرتّب، راقم کے بڑے بھائی مولانا محمد حسان نعمانی کی مزاجی خصوصیات کا بھی کچھ تذکرہ کروں کہ ان پر تواضع واِخفاء کے دبیز پردے پڑے ہوئے ہیں؛ مگر مجھے یقین ہے کہ میرے ہزار اصرار کے باوجود ان ساری سطور کو یقینا وہ حذف کردیں گے۔۔ صرف اتنا ہی کہنے پر اکتفاء کرتا ہوں کہ ان کی زندگی۔ ہم سب کے لئے اس بات کا جیتا جاگتا ثبوت ہے کہ والدین کی دُعائیں اور توجہات قلبی کیا تاثیر رکھتی ہیں؟ اور اُن کی خدمت کے صلہ میں اولاد کو کیا کیا مِل سکتا ہے؟؟ اور یہ کہ اللہ جسے چاہے بلند مراتب سے نواز دے۔

ہمارے سب سے بڑے بھائی حضرت مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی مدظلہٗ کو ایک کے بعد ایک جس طرح نہایت مفید تصنیفات پیش کرنے کا موقع مِل رہا ہے؛ جن میں بلاشبہ سرِ فہرست ''محفل قرآن'' کے نام سے قرآن مجید کی تفسیر وتشریح کا وہ سلسلہ ہے جس کی تین جلدیں منظر عام پر آچکی ہیں اور جس طرح اب وہ

''ماہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم الاحدیث دوست کہ تکرار می کنیم''

کا مصداق بنے ہوئے دُنیا ومافیھا سے بالکل یکسو ہوکر صرف قرآن کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں؛ اسی کو دیکھ کر ہم لوگوں کو احساس ہوتا تھا کہ اس کی خبریں اگر حضرت والد ماجدؒ اور والدہ ماجدہؒ کو پہونچتی ہوں گی تو اُن کی روح کو کیسی مسرت وشادمانی ملتی ہوگی۔۔۔ اور اب یہ احساس اِس تازہ قرآنی خدمت کو دیکھ کر ہورہا ہے کہ ہمارے ''اچھے بھائی'' (حسان بھائی کو ان کے چھوٹے ہم دو بھائی بہن، اچھے بھائی کے نام سے ہی یاد کرتے ہیں) نے بھی ابی اور امی رحمہم اللہ کی روح کو مسرور وشادماں کرنے کا سامان بھیج دیا، اور عظیم والدین کی اولاد ہونے اور علمی خانوادے کے فرزند ہونے کا ''شکرانہ'' پیش کردیا۔ **فھنیئًا لہ**۔۔ ایک طرف اپنے بڑے بھائیوں کو دیکھتا ہوں؛ تو خوشی ہوتی ہے، اور رشک آتا ہے، اور جب اپنی ذات پر نظر پڑتی ہے تو سَر شرم سے جھک جاتا ہے۔۔۔۔۔

یہ ننگ خاندان اپنے سب بڑوں سے، اور تمام قارئین سے جہاں ان خدمات کی قبولیت کے لئے دعاؤں کا طالب ہے، وہیں اپنے لئے بھی دعاؤں کا سائل ہے کہ بالکل ہی ناکارہ، نکمّا اور تہی دامن ہے۔

اور ہاں ایک بات رہی جارہی ہے۔۔ وہ یہ کہ اِس خدمت میں ہمارے حسان بھائی کی اہلیہ مکرّمہ (ہماری بھابھی صاحبہ) کا بھی خوب حصہ رہا ہے، وہ شروع سے آخر تک طرح طرح سے اِس کام میں شریک رہیں۔۔ امید بلکہ یقین ہے کہ اجر وانعام میں بھی ان کا بھرپور حصہ رہے گا۔ اُن کو بھی بہت بہت مبارک باد !! اور ان سے بھی دعاؤں کی گذارش! اور اپنے پورے گھرانے کے لئے سب قارئین سے دعاؤں کی التجاء۔۔

☆☆☆

سمیہ نسیم نعمانی

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی!

یہ صرف اللہ کا فضل وکرم ہے اور اس کے نیک بندں کی دعاؤں کا ثمرہ کہ مہاراشٹر کے ایک گمنام سے مقام پر واقع خانقاہ نقشبندیہ نعمانیہ ایک اہم تعلیمی وتربیتی مرکز بنتی جارہی ہے —— یہاں سے مردوں کے ساتھ عورتوں کو بھی بہت فیض پہونچ رہا ہے —— ایک چھوٹا سا جزووقتی مدرسہ یہاں مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ نسواں بھی چل رہا ہے جہاں قرب وجوار کی بچیاں اور خواتین ضروری تعلیم حاصل کرنے کے لئے روزآنہ آتی ہیں۔ دارالعلوم امام ربانی میں جس انداز سے بچوں کی تعلیم وتربیت ہورہی ہے اس کو دیکھ کر سرپرستوں کی طرف سے بڑے اصرار سے یہ فرمائش ہورہی ہے کہ بچیوں کے لئے بھی ایسا ادارہ جلد از جلد شروع کیا جائے۔ مگر ابھی مختلف وجوہ سے اس کا فیصلہ کرنے میں دشواری ہے۔ پھر گذشتہ کچھ عرصہ سے خاص طور پر بہنوں نے یہ مطالبہ کرنا شروع کیا کہ کم از کم گرمیوں کی چھٹیوں میں ایک ماہ کے رہائشی سمر کیمپ (SUMMER CAMP) کا انتظام کردیا جائے تاکہ ہماری کالجوں میں پڑھنے والی بچیاں کچھ دن اچھے ماحول میں رہ کر ضروری دینی تعلیم حاصل کرسکیں —— ہم اپنی نااہلی اور وسائل کی کمی کو دیکھ کر معذرت ہی کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ان کا اصرار غالب آیا اور ہم چند خادمائیں اپنے محرموں کے ساتھ ناظم خانقاہ مفتی بلال احمد صاحب کی والدہ ماجدہ (جو ایک بزگ صالح خاتون ہیں) کی سربراہی میں والد گرامی (حضرت مولانا خلیل الرحمن سجاد نعمانی) کی خدمت میں حاضر ہوگئیں اور ان کے سامنے خواتین کی طرف سے کئے جانے والے اصرار کا تذکرہ کرکے اس خدمت کی اجازت مانگی۔ انہوں نے بات سنی کچھ سوالات کئے، اور مختلف پہلوؤں پر غور کرکے بنام خدا اجازت دے دی۔ اور اسی وقت سے تیاریاں اور دعائیں شروع ہوگئیں ایک مسئلہ یہ تھا کہ ایک ماہ تک ان طالبات کا قیام کہاں ہوگا؟ اللہ اجر عظیم سے نوازے معہد الامام ولی

اللہ کے ذمہ داروں اساتذہ اور طلبہ کو کہ انہوں نے معہد کی عمارت خالی کردی اور اتنے دن تک دار العلوم امام ربانی کی عمارت کی چوتھی منزل میں یا خانقاہ کے نیچے شیڈ وغیرہ میں قیام کی مشقت برداشت کی۔

دوسرا مسئلہ تھا سب بچیوں کے لئے طعام کے نظم کا، ناظم عمومی اور ناظم خانقاہ نے والد گرامی کی ایماء پا کر تیاریوں سے لیکر اختتام تک ایسا ساتھ دیا کہ ان کے شکریہ کے لئے اس ناچیز کے پاس الفاظ نہیں ہیں — مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ نسواں میں پڑھنے والی بچیوں ہی نے نہیں ان کی ماؤں نے بھی ایسا تعاون کیا کہ بچیوں اور معلمات کے طعام کے نظم کے لئے اپنے گھروں سے برتن لا لا کر پیش کر دئے —— غرض کہ ہم ناتجربہ کاروں کو اللہ کی مدد کا عجیب وغریب ایمان افروز تجربہ ہوا —— اور ہم کو کھلی آنکھوں اس بات کی سچائی دیکھنے کا موقع ملا کہ۔

سفر شرط ہے، مسافر نواز بہتیرے

جگہ کی کمی کی وجہ سے سب خواہش مند طالبات کو نہیں لیا جاسکا مجبوراً انٹرویو وغیرہ کے ذریعہ تقریباً پچاس طالبات کا انتخاب کیا گیا اور ۱۸ / اپریل کو یہ طالبات اپنے سرپرستوں کے ساتھ کیمپ پہونچ گئیں —— ان میں ایسی بھی لڑکیاں تھیں جو اپنی طلب سے نہیں آئی تھیں، اپنے فکر مند والدین کے اصرار پر مجبوراً آئی تھیں اور چھٹیوں کے مزے سے محرومی کا انہیں بہت غم تھا۔ ان میں سے کچھ نے تو طبیعت کی خرابی جیسے عذر کرکے جانا بھی چاہا مگر ان کے والدین کی سمجھ داری اور یہاں کے محبت بھرے ماحول نے ان کو محرومی سے بچالیا۔

یہ بچیاں جمعہ کے دن آئی تھیں ابھی ایک ہفتہ بھی نہیں ہوا تھا کہ بدھ کے دن خانقاہ کا ماہانہ مستورات کا اجتماع ہوا، جس میں مذاکرہ کا موضوع تھا کہ ''**ہم بندوں اور بندیوں سے ہمارا شفیق رب کس قدر محبت کرتا ہے**'' —— اللہ جانے اس محفل پر کیا سماں چھا گیا کہ شاید ہی کوئی ہو جس کی آنکھوں سے شرمندگی کے آنسو بہہ نہ پڑے ہوں! یہاں سے پورے کیمپ نے ایک نیا رخ لیا، اور پھر ہر لمحہ ہر لحظہ ہم سب یہی محسوس کرتے رہے کہ ہر دل میں اللہ کی محبت اور ان کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے احساسات جاگزیں ہوتے جارہے ہیں ——

یہاں کے قیام کے زمانے میں ہمارے والد محترم کی مصروفیات کا حال میں کیسے بیان کروں؟ ان کی ہم دو بیٹیاں ان کے ساتھ قیام پذیر ہیں پھر بھی کئی کئی دن تک ہم لوگ ان سے بات کرنا تو دور کی بات ان

کو دیکھ بھی نہیں پاتے۔۔فون کر کے یا ہمارے شوہروں سے ہماری خیریت معلوم کر لیتے ہیں۔۔مگر سمر کیمپ اور اس میں شریک بچیوں کی انہیں اتنی شدید فکر تھی کہ جب یہاں ہوتے تو روز آنہ رات میں چاہے جتنی رات میں موقع ملے ہمارے پاس تشریف لاتے اور دن بھر کے احوال معلوم کرتے اور ہدایات دیتے۔سفر پر ہوتے تو فون کر کے حالات معلوم کرتے —— یہاں روز آنہ بعد عصر ان کی مجلس ہوتی ہے اُن دنوں زیادہ تر ان کے بیانات کا رخ ہماری ان طالبات ہی کی طرف رہتا، یہ طالبات کچھ علمی یا اصلاحی سوالات لکھ کر ان کو بھیجتی تھیں، وہ عصر بعد والی مجلس میں ان سوالوں کا تذکرہ کر کے ان کے جوابات بھی دیتے —— یہ ناچیز راقمہ سطور سب معلمات کے اس تأثر میں ان کے ساتھ شریک ہے کہ بچیوں کی قلبی کیفیت اور زندگی میں جو غیر معمولی انقلاب آیا وہ دراصل ہمارے ان بڑوں ہی کی محبت بھری توجہ اور دعاؤں کا اثر ہے، سچ کہا تھا شاعر اسلام نے

پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

بڑی کمی رہ جائے گی اگر میں اپنی معلمات کا تذکرہ نہ کروں ہماری چھوٹی سی ٹیم میں ایسی بزرگ خواتین بھی تھیں جن کی زندگی کا اکثر حصہ انہوں نے اپنی اور اپنے معاشرہ کی اصلاح کی فکر میں گذارا ہے اور دین کی خدمت کے جذبے سے سرشار جواں عمر اور جواں ہمت کارکن بھی تھیں، سب نے ایسی جانفشانی سے کام کیا کہ نہ دن کو دن سمجھا نہ رات کو رات، اور ایک ایک بچی کو ایسا پیار اور ایسی محبت دی کہ میں کیسے اس کا نقشہ کھینچوں۔

کیمپ میں آنے والی بچیوں میں بھی بہت جلد سچی طلب آگئی، نماز فجر سے فارغ ہو کر پہلے بچیاں خانقاہ کے روزمرہ معمولات یعنی تلاوت سورہ یٰس، ختم خواجگان، اور اس کے بعد کی اجتماعی دعا میں شریک ہوتیں۔ پھر صبح والی دعائیں پڑھنے کے بعد اپنے انفرادی معمولات پورے کرتی تھیں، اس کے بعد مختصر سی کتابی تعلیم کے بعد ناشتہ اور دیگر ذاتی کاموں کے بعد صبح ۹ بجے دعا کے لئے جمع ہو جاتی تھیں، دعا میں پہلے اسماء حسنیٰ پڑھے جاتے تھے پھر مناجات ''**کس سے مانگیں کہاں جائیں؟**'' پھر مدرسہ کا ترانہ، اس کے بعد ''**آداب المتعلمین**'' میں سے کوئی ادب ان کو سمجھایا جاتا، پھر وہ درس گاہ میں چلی جاتیں اور دوپہر ۲ بجے تک تعلیم کا سلسلہ جاری رہتا، چھٹی کے بعد طعام، صلاۃ ظہر اور مختصر قیلولہ ہوتا تھا، شام ۴ بجے بچیاں پھر باوضو

ہوکر بیٹھ جاتیں پہلے برکات رمضان کی تعلیم ہوتی پھر حلقے لگ جاتے، حلقے ختم ہوتے تو شام کی چائے ہوتی، چائے کے بعد بچیاں شام کے معمولات پورے کرتیں اور اس کے بعد عصر کی اذان ہوتی تو عصر کی نماز پڑھتیں پھر اسی جگہ بیٹھ کر عصر بعد کی خانقاہ کی کتابی تعلیم اور والد گرامی کا بیان سنتیں، بیان مغرب کے قریب دعا پر ختم ہوتا تو شام کی دعائیں پڑھائی جاتیں اس کے بعد مغرب کا انتظار رہتا اذان ہوتے ہی اذان کا جواب اور اذان کے بعد کی دعائیں پڑھ کر مغرب کی نماز پڑھتیں، مغرب بعد رات کا کھانا ہوتا تھا پھر باری والی بچیاں خدمت میں لگ جاتیں باقی ہوم ورک کرتیں۔ ۸:۳۰ بجے عشاء کی اذان ہوتی تو بچیاں عشاء کی نماز ادا کرتیں پھر کبھی ۹ بجے سے ۱۰:۳۰ بجے رات تک پڑھائی ہوتی کبھی جلسے کی تیاری— نظام الاوقات سے آپ کو طالبات اور معلمات کی محنت کا اندازہ ہوا ہوگا رات کے کھانے کے لئے ذمہ دار کی نگرانی میں روٹیاں بھی بچیاں پکاتی تھیں اور بعض بچیاں باری ہو یا نہ ہو خاموش خدمت میں لگی رہتیں انہوں نے معلمات سے سن لیا تھا کہ **"خدمت سے خدا ملتا ہے"** پیارے اللہ! آپ انہیں بھی مل جایئے اور ہمیں بھی۔

۱۸/مئی ۲۰۱۴ء کو کیمپ اختتام کو پہونچا ۱۹/مئی ۲۰۱۴ء کو مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ نسواں کے دوسرے سالانہ جلسے کی ریہرسل ہوئی جس میں سمر کیمپ کی بھی تقریباً تمام طالبات نے حصہ لیا تھا ۲۰/مئی ۲۰۱۴ء کو جلسہ ہوا جلسے سے ایک ہفتہ پہلے ہی سمر کیمپ کی طالبات کو اس غم نے گھیر لیا تھا کہ اب عشق ومحبت کی اس درسگاہ سے جدائی کا وقت قریب آرہا ہے بعض کی تو ضد تھی کہ باجی ہم کو کسی طرح روک لیجئے ہم کو یہاں سے واپس نہیں جانا! ان کو سمجھانا بڑا مشکل لگتا۔ واپس جانے کو سوچ کر ہی بچیاں اتنا روتیں کہ ہم معلمات کو بھی تڑپا اور رلا دیتیں۔ آخر کار جلسہ کا دن آ گیا، پروگرام کے وقت تک تو بچیاں پروگرام میں مصروف رہیں جیسے جیسے جلسہ اختتام کے قریب پہونچتا گیا طالبات اور معلمات کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوتا گیا جلسہ کے آخر میں جب ہمارے والد گرامی نے، جن کو انکی پدرانہ شفقت کو محسوس کر کے کئی طالبات بھی "ابّی" کے نام سے یاد کرنے لگی تھیں) نے پھر اسی محبت وشفقت سے خطاب فرمایا اور رقت آمیز دعا کروائی تو ماحول سسکیوں سے گونج اٹھا اور پھر جب بچیوں کی روانگی کا وقت آیا تو بچیاں کسی طرح جانے پر راضی ہی نہیں ہو رہی تھیں، دیر پر دیر ہوتی جا رہی تھی بچیوں کی مائیں یہ بے لوث محبتیں دیکھ کر حیران رہ گئیں، یقیناً اس وقت ماؤں سے بھی زیادہ پیار کرنے والے شفیق پروردگار کو بھی پیار آ گیا ہوگا، اللہ آپ اپنی آغوش محبت میں لے لیجئے اپنی محبت اور اپنے لئے محبت کا مزا چکھا دیجئے ہم میں سے ہر ایک کو اور ہمارے گھر والوں کو!!!

۲۰ / اپریل ۲۰۱۴ء ہی کی شام تک سب بچیاں غمگین دل ، بہتے آنسوؤں کے ساتھ یہ وعدہ کر کے رخصت ہوئیں کہ اب سے ہم انشاء اللہ رب چاہی زندگی گذاریں گے ۔ اللہ ان کے والدین اور سرپرستوں کو اس کا بھرپور اجر عطا فرمائے جنہوں نے اپنے بچوں کے دین وایمان کی فکر کی اور ان کو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ، اللہ کا دین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت سیکھنے کے لئے خود سے دور کر کے اللہ کے راستے میں بھیج دیا! ان میں بعض بچیاں وہ بھی تھیں جو ماحول کے اثر سے غلط راستہ کی طرف چل پڑی تھیں ان کو محبتوں کی تلاش تھی ابھی تک انہوں نے حقیقی محبتوں یعنی اللہ کی محبت ، اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ، اللہ والوں کی محبت کا مزہ چکھا ہی نہیں تھا ، شاید اسی لئے محبتوں کی تلاش میں ان کے قدم جھوٹی اور ناجائز محبتوں کی طرف بھی بڑھنے لگے تھے ، سنت کے بجائے انہیں فیشن سے محبت ہونے لگی تھی ، لیکن الحمدللہ اللہ نے پھر ایک مرتبہ یہ منظر دکھا کر دلوں کو حوصلوں سے بھر دیا کہ وہی بچیاں اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں تڑپنے والی بن گئیں ۔ اللہ ان کو اور ہم سب کو ثابت قدم رکھے ، آمین !

یہ روداد ہرگز یہاں ہونے والی کارکردگی کے پروپیگنڈہ کے لئے نہیں لکھی گئی ہے ۔ ہم سب کو اس کا بخوبی احساس ہے کہ اس سے بہت زیادہ کام دنیا میں نہ جانے کہاں کہاں ہو رہا ہے ۔ صرف اس طرف توجہ دلانے کے لئے لکھی گئی ہے کہ ہماری نوجوان نسل ڈانٹ ڈپٹ نہیں محبت بھری تربیت کی مستحق ہے اسے صاف ستھرے ماحول میں اللہ والوں کی محبت ملے تو وہ دنیا کو دکھا سکتی ہے کہ ع

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

☆☆☆